مزدوروں کا پیغمبر

کارل مارکس

از

دیش بھگت لالہ ہردیال۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی

مصنف

مذاہب اور انسانیت، انگریزی تعلیم اور

ہندوستانی قومیت کا زوال

پبلشرز

میسرز لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب

لاہور

۱۹۳۹ء

بار سوم

قیمت ۲؍

فہرستِ مضامین

دیباچہ

ہندوستان میں سوشلسٹ لٹریچر کی کمی ایک رنجدہ امر ہے اور جو تھوڑی بہت کتابیں یہاں تصنیف ہوئی ہیں۔ وہ یا تو مصنفین کی اس موضوع سے عدم واقفیت یا کم سے کم سطحی واقفیت کی مظہر ہیں اور یا ایسے غیر ہمدردانہ لہجے میں لکھی گئی ہیں جس سے نہ صرف اصل مدعا فوت ہو جائے۔ بلکہ پڑھنے والے پر اُلٹا اثر پڑے۔ لالہ ہردیال کی یہ چھوٹی سی تصنیف اگرچہ ان دونوں قسموں میں سے نہیں ہے۔ تاہم اسے سائنٹفک سوشلزم کی صحیح ترجمانی کرنیوالا بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کارل مارکس کا فلسفہ اقتصادیات صحیح طور پر پیش کرنے کی بجائے مصنف نے اپنے خیالات و جذبات کو بیچ میں گھسیڑ دیا ہے۔ اور بعض جگہوں پر تو ایسی کھچڑی پیش کی ہے۔ کہ جو دماغی سرگردانی و اُلجھن کا موجب ہو۔ تاہم یہ ٹریکٹ مصنف کی قابلیت پر دال ہے۔ اور ہندوستانی زبان میں جہاں سوشلسٹ لٹریچر قریباً صفر کے برابر ہے۔ اُسے خوش آمدید کہنا چاہیئے ۔

سچ تو یہ ہے۔ کہ جوں جوں زمانہ زیادہ گذرتا جاتا ہے۔ توں توں کارل مارکس کی بزرگی اور اس کے فلسفے کی سچائی لوگوں کے دلوں پر زیادہ نقش ہوتی جاتی ہے۔ وجہ یہ کہ کارل مارکس کی پیشگوئیاں سچی ثابت ہو رہی ہیں۔ اور اُس کا تمام سوشل مظاہر کی تشخیص و علت غائی

معلوم کرنے کا طریقہ بہتر بن۔ اس فلسفے کا نام تاریخ کا مادی مفہوم یا ....

ہے۔ یہ ایک ایسا فلسفہ ہے جو تاریخی نقطۂ نظر لئے ہوئے نہ صرف سیاسی و مجلسی نظام میں مختلف اوقات پر تبدیلیوں کی وجوہات بتاتا ہے۔ بلکہ مذاہب۔ اخلاق۔ انسانی حقوق و فرائض اور نیز فلسفہ و منطق کی ترقی اور ان کے مختلف اوقات پر مختلف ہونے کے اسباب بھی بیان کرتا ہے۔ اور اس طرح سوسائٹی کے مستقبل کے صحیح نتائج اخذ کرنے میں مدد دیتا ہے ؎

پرانے زمانے میں "جب قدیمی اشتراکیت کا دور تھا۔ اور انسان بلحاظ رشتہ خون مختلف گروہوں میں منظم تھے۔ تو لوگوں کے دیوی دیوتاؤں کی (جنہیں وہ پوجتے تھے) خاصیتیں بھی قدرتی گرد و نواح سے ملتی جلتی تھیں۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے خاص دیوی دیوتاؤں کی ہستی کو تسلیم کرنا صرف اُن بن باسی لوگوں کے دماغوں پر قدرتی گرد و پیش کے اثر کا نتیجہ ہے۔ اُن لوگوں کا مذہب۔ اخلاق اور اُن کے قوانین تمام اس غرض سے وضع کئے گئے معلوم ہوتے ہیں جن سے اُن کی اشتراکی زندگی کو تقویت پہنچے۔ خواہ ان قوانین پر کتنی ہی عالم بالا کی مہر تصدیق کیوں نہ ثبت کرنے کی کوشش کی گئی ہو ؎

بعد ازاں عہد وسطیٰ میں جب جاگیرداری .... کا دور دورہ تھا۔ تو جاگیرداروں کے مفاد کے خلاف جانیوالے اور قدیمی اشتراکیت کی وکالت کرنیوالے تمام قوانین اور عبادت کے طریقے جو شخص عظمت کے خلاف جاتے تھے ہٹا دئے گئے۔ اور قدیمی عیسائیت کا ظہور بھی

ساتھ ساتھ ہوا۔ ایک خدا کو مانتے ہوئے (جو بادشاہ کا مذہبی دُنیا میں عکس ہے) مختلف دلال پادریوں دحاکم جاگیرداروں کے مترادف جو کہ اُس تک پہنچانے والا مانا گیا۔ مطلب یہ کہ پُرانے خیالاتی نظام کو تباہ کر کے نیا لانے کی کوشش کی گئی ؂

اس وقت سرمایہ داری کا دَور دَورہ ہے۔ سرمایہ داری کی بُنیاد آزادیٔ ذاتی ملکیت آزادیٔ مقابلہ اور اُجرت پر کام کرنیوالے آزاد مزدوروں کی موجودگی پر قائم ہے۔ اس لئے جہاں سیاسی میدان میں یہ عہد جاگیرداروں کے حقوق خصوصی اور مزارعین عوام کی زرخرید غلامی کے خلاف ہے۔ وہاں مذہبی عملداری میں یہ آزادیٔ ضمیر اور انسان کے خدا سے براہ راست تعلقات کا علم بردار ہے۔ یعنی عہد جاگیرداری کی طرح کسی کی مخصوص پوزیشن کو تسلیم نہیں کرتا۔ ہندوستان میں دیانند ازم۔ برہمو سماج وغیرہ (عہد جاگیرداری کی یادسناتن دھرم کے خلاف) ریفارمیشن کے متوازی سرمایہ داری کے علم بردار ہیں ؂

اس موضوع کو جتنا نظرِ عمیق سے دیکھا جاوے۔ اُتنا ہی صاف ثابت ہوگا۔ کہ دُنیائے تصوّر و خیال مادی و اقتصادی حالاتِ زندگی کا عکس رہی ہے۔ اور سوسائٹی میں رائج الوقت خیالات حکمران جماعت کے مفاد کی پیش رفت کرنیوالے خیالات ہی رہے ہیں ؂

مندرجہ بالا چند سطور میں یہ بات ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ مختلف نظام سوسائٹی و پیداوار (قدیمی اشتراکیت عہد

جاگیرداری۔ سرمایہ داری وغیرہ) ہی سوسائٹی کی ذہنی تبدیلیوں کا باعث ہوتے رہے ہیں۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیوں ایک نظام پیداوار پُرانا و بوسیدہ ہو کر دُوسرے کے لئے جگہ پیدا کرتا ہے۔ اور سوسائٹی میں یہ انقلابات کیوں اور کیسے آتے ہیں؟

کارل مارکس نے اس کا جواب دو ضروری و لازم ملزوم مظاہر پیداوار یعنی سوسائٹی کی طاقت پیداوار اور گردنواحی حالات پیداوار کا آپس میں تصادم بیان کیا ہے۔ انسان کی دماغی وجسمانی طاقت اوزار۔ مشینیں و ترتیب پیداوار اور خام اشیاء وغیرہ اسکی طاقت پیداوار میں شامل ہیں۔ لیکن اُس کی طاقت پیداوار کے گردنواحی پیداوار جن میں قوانین متعلقہ ملکیت و جائداد۔ مختلف سوشل جماعتوں کی باہمی پوزیشن اور پولیٹکل نظام وغیرہ شامل ہیں۔ گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ اور ان کے محدُودہ دائرہ میں ہی سوسائٹی کی طاقت پیداوار پوری یا کم استعمال ہوئی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جب تک ان دونو مظاہر کی آپس میں کچھ حد تک قریبی نسبت نہ ہو کام نہیں چل سکتا مثال کے طور پر سرمایہ دارانہ نظام پیداوار کے شروع ہوتے وقت اگر جاگیردارانہ قوانین متعلقہ غلامی مزارعین اور شہروں میں کاریگروں کے گروہوں سے خاص رعایتوں اور اُن کے اجاروں کو نہ توڑا جاتا۔ یا دُوسرے لفظوں میں اگر سوسائٹی کی بڑھتی ہوئی طاقت پیداوار کے گرد جاگیردارانہ حالات اور شرائط پیداوار کا طوق پڑا رہتا۔ تو سرمایہ دارانہ طریقہ پر پیداوار نہ ہوسکتی کیونکہ اجرتی مزدور اور آزادی مقابلہ و ملکیت والی ضروری شرائط پیدا ہی نہ ہوتیں

بہر حال ایسے حالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جن سے سوسائٹی کی طاقتِ پیداوار میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ خواہ وہ کسی نئی مشین وغیرہ کی ایجاد سے ہو۔ یا آبادی بڑھ جانے سے انسان کی کام میں مہارت زیادہ ہونے سے ہو یا تجارت تبادلہ اور پیداوار کی بہتر ترتیب سے ایسی نمایاں تبدیلی کے معنی سوسائٹی کی مادی و اقتصادی تعمیر میں تبدیلی ہے۔ اور چونکہ برائے نواحی شرائط پیداوار اس کے ساتھ مطابقت نہ کھاتے ہوئے رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے ٹکر ہو جاتی ہے یہ ٹکر پیداوار کے کام میں لگی ہوئی اُن سوشل جماعتوں کی جماعتی جدّوجہد یا جنگ کے مترادف ہے۔ جو انسانی تاریخ کا گزرا ہے۔ جن میں سے محکوم جماعت کو اپنی پہلی پوزیشن منظور نہیں ہوتی۔ اور حکمران جماعت اُسے پہلی حالت میں رکھنا چاہتی ہے۔ اس ٹکر کی کامیابی کے ساتھ مکمّل ہو جانے کے بعد آہستہ آہستہ ذہنی و خیالاتی دُنیا میں بھی دُوسرا رنگ جمنا شرُوع ہوتا ہے۔ جو تبدیل شدہ اقتصادی نظام کا لازمی نتیجہ ہے ؎

کارل مارکس کی شکشا میں ایک اہم بات یہ ہے۔ کہ وہ محنت کش و مظلوم دُنیا کے لئے ایک پیغامِ اُمید ہے۔ صرف اِتنا ہی نہیں۔ بلکہ اُس نے مزدُور کا بنی نوع انسان کو ہمیشہ کے لئے پنجۂ ظلم وستم سے چھڑانے کا تاریخی مشن بیان کیا ہے۔ آنے والا نظام سوسائٹی کم جماعتی نظام نہیں ہوگا۔ وہ تمام جماعتی کش مکش جھگڑوں اور ظلم وستم سے مبرّا ہوگا۔ اور انسان کی ترقی بطور انسان ہو سکے گی۔ اس نئے نظام کو لانے کا سہرا مزدُور کے سر پر ہے۔ کارل مارکس

کے سامنے مزدور ہی مظلوم دُنیا کی امیدوں کا مرکز ہے۔ وہ امیدیں جو کسی پارسایانہ نیک یا خوش گپی کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ جن کی ٹھوس بُنیادیں انسانی تاریخ کی روانی و رُحجان ہیں۔ انسانی تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ہی ایسی اُمیدوں کو جگہ دی گئی ہے۔ آنے والا کمیونسٹ نظام سوسائٹی ایک لازمی و لابدی شے ہے سائینٹفک طریقہ سے ثابت شدہ امر ہے۔

کارل مارکس کی تمام سائنس اقتصادیات کو یہاں درج کرنے کی جگہ نہیں۔ اس کی سرمایہ۔ اجرت۔ مالیت و زاید مالیت و منافع اور کرایۂ زمین وغیرہ اور موجودہ نظام کا رحجان وغیرہ کے متعلق بھوری ایک قابل مطالعہ و غور و خوض شے ہے۔ مندرجہ بالا چند سطور صرف پڑھنے میں اس قسم کا ذوق پیدا کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ اور اگر یہ شوق پیدا ہو جاوے۔ جس کے لئے آنے والے حالات و واقعات ہندوستان کے مزدوروں نوجوانوں اور طلباء کو کچھ حد تک مجبور کریں گے۔ تو ہم اپنے آپ کو اس مقصد میں کامیاب سمجھیں گے۔

رام کرشن
بی۔ اے۔ نیشنل

کارل مارکس

زمانۂ حال کا ایک رشی

سینٹ میتھیو کا قول ہے کہ بائبل کا پرچار غریب آدمیوں میں کیا جاتا ہے۔ میں اس مختصر مضمون میں ایک بڑے یورپین رشی کی سوانحعمری اور کارنامے ہندوستان کے نوجوانوں کے لئے لکھتا ہوں۔ یہ ایک مہاتما تھا۔ جس کے نام کی مالائیں مغرب کے کروڑوں مرد اور عورتیں آج کے دن عزت کرتے ہیں۔ ان حالات کے مطالعہ سے ہم پر واضح ہوگا کہ بزرگی اور تقدس محض یہی نہیں ہے کہ مالا پھیرتے رہیں یا بھجن گاتے رہیں۔ بلکہ کٹھن سے کٹھن تپسیا جاتی دھوپ میں پنچ اگنی تپے بغیر ہو سکتی ہے۔ نیز اس سے نوع انسان کی بہبودی کے اہم مسائل پر غور کرنے کا موقع ملے گا۔ اور ہمیں سبق حاصل ہوگا۔ کہ دانائی کی تلاش میں ہم اپنے تئیں صرف مہرشی کناد اور کپل اور شری شنکر آچاریہ اور سوامی رامانج کی تصانیف تک محدود نہ رکھیں۔ بلکہ سماجک۔ اخلاقی اور سیاسی مشکلات میں رہنمائی کے لئے زمانہ حال کے بڑے بڑے فلاسفروں کی شرن بھی لیں۔ موجودہ تہذیب کے بانی اور تعمیر کرنے والے کئی ایک بہادر مرد اور عورتیں گزری ہیں۔ جو اپنے اپنے

زمانہ میں بہت سے باہمت لوگوں کے سرگروہ تھے۔ اور مارکس ان غور کرنے والے اور کام کرنے والوں میں سے ایک شخص تھا جن کے ناموں کا یورپ میں گھر گھر چرچا ہے۔

زمانہ حال کے ہندوستان کو مارکس کے نام سے ایک خاص رشتہ بھی ہے۔ کیونکہ مارکس کا لاڈلا نواسہ مسٹر جین لونگوئٹ فرانس کا ایک نامور اخبار نویس ہے۔ جو ہندوستانیوں کی خواہشات اور آرزوؤں کا زبردست حامی ہے۔ اور اپنے روزانہ اخبار لاہیومنیائیٹ میں جو پیرس سے شائع ہوتا ہے۔ ہندوستان جدید کے مطالبات کی پُر زور تائید کرتا ہے۔ موسیو لونگوئٹ۔ کارل مارکس کی بڑی صاحبزادی کا فرزند ارجمند ہے۔ ہندوستان کو معلوم نہیں ہے۔ کہ موسیو لونگوئٹ نے اس کی کیا کچھ خدمات کی ہیں۔ لیکن کسی وقت یہ باتیں روشنی میں آجائیں گی۔ ہر ایک پنہاں بات ایک روز آشکارا ہو کر رہے گی۔

لونگوئی

ہر شخص کی نئی دُنیا

کارل مارکس کی زندگی اور اُس کے اصولوں کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم دُنیا کو اس کی نظر سے دیکھیں۔ تب ہم سمجھ سکیں گے کہ وہ دُنیا کو کس نگاہ سے دیکھتا تھا۔ دُنیا کے متعلق ہر شخص کا مسطح نظر جُداگانہ ہے۔ واعظ کے نزدیک دُنیا گنہگاروں سے بھری ہوئی ہے۔ موچی کی نظر میں جُوتوں سے لبریز ہے اور سب مرمت طلب ہیں۔ ایک بادشاہ کی نگاہ میں وہ رعایا سے بھرپور ہے۔ بس ہر شخص اپنی اپنی دُنیا میں رہتا ہے۔ اسی طرح کارل مارکس دُنیا کو اپنے زاویہ نگاہ سے دیکھتا

تھا۔ اس لئے ہمیں بھی اسی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے
تب ہم اس کے کارنامہ عظیم کی قدر کرسکیں گے ؛

کارل مارکس نے اپنی زندگی مسئلہ افلاس کے حل کرنے کے لئے
وقف کردی تھی مفلسی ساری دُنیا میں سب سے بڑی مصیبت ہے۔
یہ نوع انسان کے لئے ایک لعنت ہے۔ یہ اخلاقی ترقی میں مانع اور
عقل کو زائل کرنے والی بلا ہے۔ یہ غلامی اور بیماری کی بنیاد ہے اور
روز اوّل سے ترقی اور تہذیب کی دشمن چلی آتی ہے ؛

افلاس کے اسباب

مفلسی کے متعدد اسباب ہیں (۱) وہ یا تو جغرافی اور موسمی حالات
کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جیساکہ سائبیریا۔ گرین لینڈ۔ اور عرب کی حالت ہے
(۲) آبادی کی کثرت بھی مفلسی کا باعث ہوسکتی ہے۔ جیساکہ چین میں
(۳) فن زراعت کی ناواقفیت سے بھی افلاس رونما ہوتا ہے جیساکہ
ہندوستان اور میکسیکو میں (۴) سیاسی بدنظمی اور قدیم سماجک
بیچینی بھی مفلسی کا سبب ہوتی ہے۔ جیساکہ جنوبی امریکہ کی جمہوری
ریاستوں میں (۵) بعض سیاسی حالات کا نتیجہ بھی افلاس ہوتا ہے۔
جیساکہ قرون وسطیٰ میں فرانس کی حالت تھی یا ایشیا کے بعض ممالک کی
موجودہ حالت ہے (۶) اور اقتصادی حالات یعنی دولت کی پیداوار
اور تقسیم کا غلط توازن بھی مفلسی کا کارن ہوا کرتا ہے۔ جیساکہ زمانہ حال
کے یورپ کی حالت ہے ؛

یہ اسباب ایسے نہیں ہیں کہ جب ایک موجود ہو تو دُوسرا نہیں

ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کسی ملک کے باشندوں کی ایک طرف سود خوار مہاجن اور بڑے بڑے زمیندار کھال اُتار رہے ہوں۔ دُوسری طرف امساک باراں سے قحط پڑ گیا ہو یا ٹڈیاں فصلیں چاٹ گئی ہوں یا ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہو یا جنگ سے تباہی آئی ہو۔ غرضیکہ ایک ہی وقت ایک سے زیادہ اسبابِ افلاس موجود ہو سکتے ہیں۔ مگر کارل مارکس نے مفلسی کے جملہ اسباب پر بحث نہیں کی جو اوپر بیان کئے گئے ہیں اس نے اپنی توجہ کو مسئلہ افلاس کے صرف ایک پہلو پر مرکوز رکھا۔ اس نے وچار کیا کہ زمانہ حال کے یورپ میں عام باشندوں کی تعداد کثیر اس قدر مفلس اور خستہ حال کیوں ہے۔ اور اس نے زیادہ تر ان ممالک کی بابت غور کیا۔ جہاں اٹھارھویں صدی کے آخری چوتھائی حصہ میں یا اس کے بعد مشینوں سے چلنے والے بڑے بڑے کارخانے قائم ہوئے ہیں ؛

مارکس کوئی فلاسفر نہ تھا۔ کہ وہ اس سوال کو حل کرتا۔ جس نے اس وقت سے نوع انسان کے دماغ کو پریشان کر رکھا ہے۔ جب سے کہ اس نے خیال کرنا شروع کیا۔ نہ وہ کوئی معلم اخلاق تھا نہ مذہبی واعظ اور نہ ہی وہ اس امر کے لئے تیار تھا کہ نوع انسان کی رہنمائی کے لئے زندگی کے تمام شعبوں کے اطمینان بخش اصول پیش کر سکے۔ بلکہ وہ صرف ایک ہی میدان کا دشت نورد تھا۔ اس نے ایک معتدل کام اختیار کیا۔ اور اسی کی تکمیل میں اپنی ساری طاقتیں خرچ کر دیں ؛

مسئلہ افلاس دُنیا کے سامنے اس زمانہ سے درپیش ہے۔ جبکہ پہلے جاندار کیڑے نے سمندر کی گہرائیوں سے سر نکالا۔ کیونکہ ڈاروِن

کا قول ہے۔ کہ نیچر تمام پیدا ہونے والی مخلوق کے لئے کافی خوراک مہیا نہیں کرتی۔ یعنی دُنیا کا کسر بیٹ کا انتظام نہایت ناقص ہے حیوانات ایک مزمن قحط کی حالت میں چلے آتے ہیں۔ اور اسی لئے عالم حیوانات میں خانہ جنگی بپا رہتی ہے ؛

تاریخ کے ابتدائی دَور میں انسان کی بھی یہی حالت تھی۔ اس کی خوراک کا تمام تر انحصار جانوروں کے شکار پر تھا۔ اور شکار کرتے ہوئے اکثر وہ خود بھی شکار ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن جب کھیتی باڑی کا زمانہ شروع ہوا تو حالت بدل گئی۔ اور جب فن زراعت نے اپنی کرامت دکھلانی شروع کی اور ایک دانہ سے ہزار دانے پیدا ہونے لگے۔ تو حضرت عیسےٰؑ کے معجزے سے بہت عرصے پہلے یہ امر ممکن ہو گیا۔ کہ مٹھی بھر غلہ سے صدہا آدمیوں کو شکم سیر کیا جا سکے۔ اور افلاس کافور ہو گیا۔ اور ہر جگہ فارغ البالی کا دَور دَورہ ہونے لگا ؛

لیکن تقدیر آدم زاد کے سرہانے کھڑی ہنس رہی تھی۔ کیونکہ اب بھی یہ معمہ حل کرنا باقی رہا۔ کہ باوجود فن زراعت کی ترقی کے افلاس کی بیخکنی نہیں ہوئی۔ جس قدر پیچھے مڑ کر ہم دیکھتے ہیں دُنیا کی کثیر آبادی کو پنجۂ افلاس میں گرفتار پاتے ہیں۔ یونان۔ روم۔ چین۔ ایران اور تمام قدیم قوموں کے یہ ہولناک منظر پیش نظر رہا۔ لیکن کسی نے اس کا علاج نہ سوچا۔ ہندوستان کے فلاسفوں نے بھی اس پر توجہ نہ کی۔ وہ کسانوں کے پیدا کئے ہوئے غلہ پر بسر اوقات کرتے تھے۔ اور اُلٹے اُنہیں کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ اناج اور مویشی وغیرہ مادی اشیاء پر دل نہ لگاؤ۔ اُنہوں نے یہ

خیال نہ کیا کہ انجام کار سارے فلسفہ کا منحصر خوراک پر ہے۔ ہندو فلاسفی کی آزادانہ سپرٹ پر غور کرنے والوں کو یہ غیر منطقیانہ حالت حیرانی میں ڈالتی ہے جو فلسفہ اقتصادیات پر بحث نہیں کرتا۔ وہ ایسا مینار ہے جس کی بُنیاد نہیں۔ کیونکہ یہ امر عیاں ہے کہ پہلے انسان پیدا ہو اور پھر کھا پی کر نشو ونما حاصل کرے۔ اس کے بعد وہ مُکتی یا نروان یا نجات یا تکمیل حاصل کر سکتا ہے۔ یا کسی اور منزل مقصود پر۔ جو مذہب اُس کے لئے قرار دے پہنچ سکتا ہے۔ زمانہ حال کا یوروپ اس حقیقت کو سمجھتا ہے۔ اور مارکس نے نسل انسان کی تاریخ میں اقتصادیات کو بنیادی اہمیت دے کر ساری دُنیا کو زیر بار منت کیا ہے ؛

جس طرح کہ فن زراعت سے دُنیا کے ذخیروں کے پُر ہونے کے بعد بھی آدم زاد مفلسی سے نجات حاصل نہ کر سکا۔ اِسی طرح اٹھارھویں اور انیسویں صدی کی حیرت انگیز ایجاد و اختراعات کے بعد بھی جن سے انسان کے کام کرنے کی طاقت صدگونہ بڑھ گئی ہے۔ اور قدرتی طاقتوں کو غلام بنا لیا گیا ہے۔ اس وقت بھی وہی حالت باقی رہی ؛

آخر یہ کیا بات ہے کہ دُنیا مالا مال ہے۔ مگر انسانوں کی تعداد کثیر بدستور مفلس ہے ؟ یہ مسئلہ تھا جس کو زمانہ حال کے یوروپ کے لئے مارکس نے حل کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ سائنس نے فن زراعت کو اس عروج کمال پر پہنچا دیا اور صنعت وحرفت نے وہ ترقی کی کہ زمانہ گذشتہ کے دانشمندوں کے خواب وخیال

یں بھی نہ تھی۔ اس لیئے افلاس کو یوروپ میں زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ لیکن مارکس کے زمانہ میں باشندگان یورپ افلاس میں سخت مبتلا تھے۔ اور ابھی تک وہی حالت ہے۔ کیونکہ مارکس کو کچھ زیادہ زمانہ نہیں گذرا۔ وہ ۱۸۱۸ء میں پیدا ہؤا۔ اور ۱۸۸۳ء میں فوت ہؤا ٭

ہندوستان کی تعلیم یافتہ جماعتوں کو معلوم نہیں ہے کہ یورپ کے عام باشندے کس قدر خستہ اور تباہ حال ہیں۔ مغل بادشاہوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں قلعہ دہلی کے دربار خاص کی دیواروں پر یہ شعر کندہ کرایا تھا:۔

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمین است وہمین است وہمین است

لیکن جس وقت میرا گذر پیرس اور نیویارک کی اُن گندی گلیوں سے ہؤا۔ جہاں حد درجہ کے مفلس اور قلاش لوگ آباد ہیں تو مذکورہ بالا شعر قدرے تبدیلی الفاظ کے ساتھ میرے ذہن میں گزرا:۔

اگر بالفرض دوزخ بر زمین است ہمین است وہمین است وہمین است

ہندوستان کے نوجوان غور کر کے اس سوال کا جواب دیں کہ یہ کیا اسرار ہے کہ دُنیا میں ایک شخص نوا اینڈریو کارنیگی جیسا ہے جو نہیں جانتا تھا کہ اپنی بیشمار دولت کو کیا کرے اور آخر ۳ کروڑ ۶ لاکھ پونڈ امریکہ کے مختلف شہروں میں موسیقی ہال اور کتبخانے قائم کرنے اور چند نامور مگر متوسط الحال لوگوں کو وظائف دینے میں صرف کر گیا۔ اور دوسری طرف چند روز ہوئے ۴۴ آدمی نیویارک میں آوارہ گردی کے جرم میں گرفتار ہوئے۔ تو تلاشی لینے

پسران کی مجموعی جائداد پانچ روپیہ سے زیادہ کی نہ نکلی - اور یہ کیا بات ہے کہ انگلینڈ حالانکہ دُنیا میں متمول ترین ملک ہے - لیکن انگلستان کی پوری ایک تہائی آبادی سال میں ۳۶۵ دن فاقہ مستی میں بسر کرتی ہے - یہ کیا معمہ ہے کہ جس حالت میں انگلستان کی تجارت درآمد و برآمد بے انتہا بڑھتی جا رہی ہے - مگر اسی ملک میں کئی ایک کاریگروں کو اپنے بچوں کے گلے کاٹنے پڑتے ہیں یا موسم سرما میں خودکشیاں کرنی پڑتی ہیں - کیونکہ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہوتا - یہ کیا بات ہے کہ سُست الوجود عیش پرست امراء تو بسکرا - الجزائر بلکہ خرطوم تک تبدیلی آب و ہوا اور سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں - مگر غریب آدمی اچھی خوراک نہ ملنے اور تازہ ہوا سے محروم رہنے کی وجہ سے ہزاروں کی تعداد میں ہر سال تپ دق کی نذر ہو جاتے ہیں - اور اس کا کیا کارن ہے کہ جبکہ سلطنتِ برطانیہ میں آفتاب کبھی غروب نہیں ہوتا وہ اُن محلوں میں کیوں نہیں چمکتا - جہاں غربا کے مکانات ہیں ؛

یہ سوالات تھے جو نوجوان مارکس کے دماغ کو رات دن پریشان رکھتے تھے - اور اُنہیں کے حل کرنے کے لئے اس نے اپنی زندگی وقف کر دی اور اپنی ذات کے لئے تمام آرام و آسائش کو خاک میں ملا دیا تاکہ یورپ کی مزدوری پیشہ جماعتوں کی اخلاق اور صحت اور رُوح کو ہلاک کرنے والی مفلسی کا کوئی علاج سوچے جو بیچارے اپنی ہستی کو بہزار دقت گھسیٹ کر قبر تک پہنچاتے ہیں - یہ کہنا غلط ہے کہ وہ زندگی بسر کرتے ہیں - یہ مسئلہ محض اسی

قدر نہیں ہے - آؤ ذرا سوچیں - کہ ایسا کیوں ہے - اور اس کی کیا وجہ ہے - کہ دُنیا میں کاہل ترین اشخاص سب سے زیادہ مالدار ہے - کیوں ہیں ؟

(۱) یہ کیا بھید ہے کہ ایک قُلی جو سارے دن کام کرتا ہے وہ تو صرف تین آنے کماتا ہے اور کسی کارخانہ پارچہ بافی کا حصّہ دار گھر بیٹھے صدہا روپیہ منافع کے حاصل کر لیتا ہے - خواہ وہ تمام وقت سوتا ہی رہے ؟

(۲) کیا کارن ہے کہ کسان جو ساری دُنیا کا اَن داتا ہے اپنا پیٹ نہیں بھر سکتا ؟

(۳) کیا وجہ ہے کہ کاشتکار جو مینہ میں - آندھی میں اور دُھوپ میں برابر مشقت کرتا رہتا ہے - ہمیشہ تنگدست ہی رہتا ہے اور مقروض جبکہ گاؤں کا مہاجن اپنی دکان پر پاؤں پر پاؤں رکھ کر بیٹھتا ہے اور بہی کھاتہ لکھنے کے سوا کچھ نہیں کرتا - مگر فربہ اور مالدار ہوجاتا ہے ؟

(۴) اس چیستان کو کس طرح حل کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص اپنی جان جوکھم میں ڈال کر خلیج فارس کے سمندر کی تہ میں غوطہ لگا کر موتی نکالتا ہے - اُسے کبھی نصیب نہیں ہوتا کہ موتیوں کی مالا گلے میں ڈال یا کان کے بالے میں لٹکائے وہ ہمیشہ غریب ہی رہتا ہے - جبکہ کلکتہ اور بمبئی کے موتیوں کے سوداگر جو ان موتیوں کو بیچتے ہیں - شاہانہ مکان میں رہتے اور ہر طرح کے عیش و آرام اور عزت کی زندگی بسر کرتے ہیں :-

(۵) اس کا سبب کیا ہے - کہ کان کن مزدور جو انگلینڈ یا ہندوستان

یں کانوں سے کوئلے نکالتے ہیں۔ ہمیشہ سے پھٹے حالوں۔ خراب و خستہ مفلس و نادار اور ذلیل و خوار چلے آتے ہیں۔ جیسے کہ آج کل ہیں۔ جبکہ کمپنیوں کے حصہ دار جو کوئلہ فروخت کرتے ہیں ہزار پتی سے لکھ پتی اور لکھ پتی سے کروڑ پتی بنتے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ کبھی کانوں کی شکل بھی نہیں دیکھتے۔ اور اکثر تو یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کس جگہ واقع ہیں ؛

(۹) اور کیا یہ اسرار ہے کہ جو کام سخت سے سخت محنت کے اور زیادہ خطرناک ہے۔ اتنی ہی ان کی اجرت قلیل ہے۔ اور دُنیا کے سارے ملکوں میں یہی حالت ہے۔ ان تمام مشکل سوالات کا کچھ نہ کچھ جواب ضرور تلاش کرنا چاہیئے ؛

زمانہ قدیم کے لوگوں کو ان سوالات کا حل نہ سُوجھا۔ اس لئے اُنہوں نے امیروں کو تو یہ نصیحت کی۔ کہ خیرات کیا کریں اور غریبوں کو یہ وعظ کیا کہ صبر سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہے۔ اور کہا جو لوگ دُنیا میں مفلسی اور تکلیف کی زندگی بسر کرتے ہیں عاقبت میں بہشت بھی ان کے ہی لئے ہے ؛

علاوہ ازیں قدیم فلاسفروں نے تیاگ اور ویراگ کی تعلیم بھی دی۔ مایا چنچل ہے۔ ایک جگہ قیام نہیں کرتی۔ اور نہ وہ مساوی طور پر تقسیم ہی ہو سکتی ہے۔ اور بادشاہوں کی حرص اور چالاک چوروں سے اس کا محفوظ رکھنا بھی آسان نہیں۔ اس لئے اس کا یہ علاج بتلایا کہ اس کو بالکل ہی دفع کرو۔ لعنت بھیجو۔ لیکن وہ اپنے خیال کو عمل میں نہ لاسکے۔ کیونکہ اس تیاگ کا لازمی نتیجہ یہ ہو سکتا ہے۔

کہ سب لوگ خودکشی کرلیں۔ اُنہوں نے تمام اقتصادی سرگرمیوں کی مذمت کی۔ لیکن دوسروں کی کمائی پر گزارہ کرتے رہے۔ میدان جنگ سے ناممکن اور احمقانہ پس پائی کو اُنہوں نے غلطی سے فتحمندی خیال کیا وہ جوگی بھی جو ہر روز چاول کا صرف ایک دانہ کھاتا ہے زندہ رہنے کے لئے چاولوں کی ایک مقدار خرچ کرتا ہے۔ اور چاول پیدا کرنیوالے کسانوں کو نظر حقارت سے دیکھتا ہے پس زمانہ قدیم نے بالکل غلط علاج بتلائے۔ اور مرض کی صحیح تشخیص نہ کرسکا۔ مادی حالتوں کی عدم مساوات نے زمانہ قدیم کے لوگوں کو بھی حیران ضرور کیا لیکن اُنہوں نے اس کے حل کرنے میں چشم پوشی کی۔ بعض نے یہ عذر پیش کیا۔ کہ یہ پچھلے جنم کرموں کا پھل ہے۔ لیکن زمانہ حال کے فلاسفروں نے اس معمّہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُنہوں نے بجائے اس کے کہ سانڈ کے سامنے سے بھاگ جائیں۔ اس کو سینگوں سے پکڑنا چاہا ہے۔ کوئی آدمی خواہ کتنا ہی نیک اور پارسا ہو اگر اسے خوراک کافی نہیں ملتی۔ اور کمزور ہے تو تپ دق یا پلیگ سے نہیں بچ سکتا۔ ایک پاپی اور ایک سنت مہاتما کی قدرتی ضروریات یکساں ہوتی ہیں اور ۲۴ گھنٹہ کے اندر ایک تھوڑا سا پروٹین اور کاربوہائڈریٹ اور پانی نہ ملے تو ویدانت بھی نشوونما نہیں پاسکتا۔ بعض لوگ ان باتوں پر آوازہ کسیں گے کہ توبہ توبہ یہ کس قدر مادہ پرستی ہے کہ نجات اور مُکتی کے مسائل کو دال روٹی کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ لیکن واقعات ہیں۔ کیونکہ میں نے کسی فلاسفر یا مذہبی رہنما کے متعلق نہیں پڑھا

جو صرف ہوا یا منطق پر زندہ رہا ہو۔ پس مسئلہ افلاس کے تمام قدیم حل ناکافی اور لغو تھے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ زمانہ حال اس کے ساتھ کس طرح کش مکش کرتا ہے۔ اور نسل انسان کے عقلی خزانوں میں کارل مارکس نے کیا اضافہ کیا ہے؟

کارل مارکس کا عہد طفولیت

جرمنی کے شہر ٹریوس میں ۵۔مئی ۱۸۱۸ء کو بروز منگل کارل مارکس نے جنم لیا۔ اس کا والد ایک نامور وکیل تھا۔ جو یہودی نسل سے تھا۔ مگر اوائل عمر میں ہی دین عیسوی اختیار کر لیا تھا۔ اس کے تمام لڑکوں میں کارل سب سے زیادہ ہونہار تھا۔ اور باپ کے دل میں بڑی اُمیدیں تھیں کہ بڑا ہو کر اس کا فرزند بہت دولت کمائیگا۔ مدرسہ کی تعلیم ختم کرنے کے بعد کارل کو بون اور برلن یونیورسٹیوں میں داخل کیا گیا۔ تاکہ فلسفہ اور قانون کی تعلیم حاصل کرے لیکن نوجوان لڑکا شاعری کی مشق کرنے لگا۔ اور ناولوں کے پلاٹ سوچنے لگا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد اسے معلوم ہو گیا کہ قدرت نے اُسے شاعری کے لئے پیدا نہیں کیا۔ پھر وہ فلسفہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ہیگل کا پیرو بن گیا۔ اور آخر کار فلسفہ سے بھی بیزار ہو گیا۔ اور وہ کچھ عرصے عقلی اور روحانی بے چینی کی حالت میں رہا اور یہ وہ طوفان ہے جس میں سے تمام بڑے آدمیوں کو گزرنا پڑا ہے۔ جس کے بعد شانتی اور پختگی عقاید حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس آشفتہ مزاجی سے اس کے والد کو بہت رنج پہنچا۔ اور اس نے اپنے فلسفیانہ مزاج رکھنے والے

فرزند کو اس غفلت پر بہت کچھ ملامت کی کہ وہ اپنی دُنیاوی سود و بہبود کی فکر نہیں کرتا۔ یعنی دُنیا میں کامیاب شخص قدرتی طور پر یہ چاہتا تھا۔ کہ اُس کا بیٹا بھی اس کے ہی مانند کامیاب ہو۔ لیکن کارل کو قدرت نے دوسرے کاموں کے لئے پیدا کیا تھا۔ حصُول زر کی اہمیت پر اس کے والد نے جو چٹھیاں اس کو لکھی تھیں منجملہ اُن کے ایک چٹھی میں حسب ذیل فقرات درج تھے:۔

"تمہارا سارا پروگرام بے ضابطہ ہے۔ سائنس کی تمام شاخوں میں توغل پیدا کرنا حماقت ہے۔ لیمپ جلا کر راتوں کو پڑھتے رہنا نادانی ہے۔ تم علم کا کوٹ پہن کر وحشی بن گئے ہو۔ بالوں میں کنگھا تک نہیں کرتے۔ ایک معاملہ میں تمہارے خیالات کا مجھے اب تک پتہ نہیں لگا۔ اور اس کی بابت تم بالکل خاموش ہو۔ میرا مُدّعا لغنی سونے سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اب تک یہ احساس نہیں ہوا کہ ایک گرہستی کے لئے وہ کس قدر قیمت رکھتا ہے۔ اگرچہ تم ناواجب طور پر یہ دعوے کرتے ہو۔ کہ میں تمہارے خیالات کو نہیں جانتا"۔

کارل نے اپنے اطوار میں اصلاح نہ کی۔ بلکہ اس قسم کے مضامین لکھے کہ اُسے ڈاکٹر کی ڈگری ملنے سے رہجاتی۔ جس کے لئے اُس نے کئی سال محنت کی تھی۔ انقلاب پسند خیالات کی وجہ سے حکام کی نظر میں وہ کھٹکنے لگا۔ اور پروفیسری کی کرسی حاصل کرنے کا موقع اُس کے لئے بہت کم باقی رہ گیا۔ اس کے والد کو یہ دیکھ کر جو صدمہ ہوا ہوگا۔ کہ ہونہار لڑکا سیاسیات اور فلسفہ کے خار دار

میدانوں میں چلا گیا ہے۔ وہ بخوبی قیاس کیا جا سکتا ہے اس کی والدہ کو بھی رنج ہوا۔ کیونکہ اسے بڑی اُمیدیں تھیں کہ اس کا پیارا کارل اپنی نادر دماغی اور علمی قابلیتوں سے بڑی دولت اور بڑے بڑے رُتبے حاصل کرے گا۔ اس بیچاری کو کیا معلوم تھا کہ وہ اپنی عمر جلاوطنی اور مفلسی میں بسر کرے گا۔ اور اس کی قبر سمندر پار بنے گی۔ لیکن والدین کی تمناؤں اور بلند خیال نوجوانوں کے آدرشوں میں اختلاف غیر معمولی بات نہیں ہے۔ کسی والد نے بھی اپنے نوجوان فرزند کے لئے مہاتما یا فلاسفر بننے کی خواہش نہ کی ہوگی۔ ہندوستان میں بھی یہ خانگی اختلاف رائے ہوتا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک گھر میں تاریکی اور سارے ملک میں روشنی پھیلی ہے۔ کیا اس ازلی تنازعہ کی سب سے بڑی مثال مہاتما بُدھ نہیں تھے؟ کارل بھی اسی مقصد سے پیدا کیا گیا تھا کہ اپنے والدین کے دل کو ملول کرے۔ لیکن دُنیا میں خوشی اور شادمانی کی لہریں دوڑاوے۔ جو شخص نفس پرست ہوتا ہے وہ خاندان کے کام نہیں آسکتا اور جو اپنے خاندان کی فکر میں ہی محو رہتا ہے۔ وہ پورے دل سے دُنیا کی خدمت نہیں کر سکتا۔ پس کسی نہ کسی کا رونا ضروری ہے تاکہ باقی سب لوگ ہنسیں ۔

کارل کی شادی

۱۸۴۳ء میں جب کارل ۲۵ سال کا تھا تو اُس نے جوہانا بر تھا جولی جینی سے شادی کی جو ایک حسین دیوی تھی۔ اور جو بچپن میں

اس کے ساتھ کھیلتی رہی تھی۔ کارل کے شادی کرنا جینی کے لئے سوشل قربانی تھی۔ کیونکہ وہ ایک نہایت معزز اور امیر خاندان کی لڑکی تھی۔ اور کارل ایک مفلس گریجوایٹ تھا۔ لیکن پریم دنیوی وجاہت سے افضل شے ہے۔ یہ شادی نہایت کامیاب کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جینی تمام عمر اپنے شوہر کی مصیبتوں میں صبر و شکر کے ساتھ شریک حال رہی۔ جب تک ۳۸ سال بعد موت نے ان کو جدا نہ کیا۔ کارل جیسا حوصلہ مند اور دلیر تھا۔ جینی اس سے بھی کچھ بڑھ کر تھی۔ جلاوطنی اور تنگدستی کی زندگی میں جینی کی سچی محبت ہی اس کو مطمئن رکھتی تھی۔ مزدوری پیشہ جماعتوں کی حالت کو بہتر بنانے کا خیال جس قدر کارل کو تھا۔ جینی کو اس سے ذرا بھی کم نہ تھا اس نے اپنے دو بچوں کو اس جدوجہد میں ایسی ہی دلیری سے قربان کیا۔ جس طرح کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کی آمادگی ظاہر کی تھی۔

اخبار نویسی

۱۸۴۲ء میں کارل مارکس نے پولٹیکل اخبار نویسی شروع کی تاکہ معاش کی صورت پیدا ہو اور اپنے خیالات کا پرچار بھی کر سکے۔ اس زمانہ میں جرمنی میں مطلق العنان نوکرشاہی حکومت تھی جس کا رکن اعلےٰ شاہ پروشیا تھا۔ عام لوگوں کو آزادی حاصل نہ تھی۔ بعض چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں نام نہاد آئینی کونسلیں تھیں۔ جرمنی کے تمام آزاد خیال لیڈر

اس مطلق العنانہ اور غیر ذمہ وارانہ انتظام حکومت کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھے۔ کارل نے بھی ان میں شمولیت اختیار کی۔ اور اخبار رہنش زیٹنگ (رہنش گزٹ) میں اس کے زبردست مضامین نے غلغلہ ڈال دیا۔ چند روز بعد وہ ایڈیٹر انچیف بنا دیا گیا۔ اور اس نے بڑی علوہمتی اور دانائی سے اخبار کو چلایا۔ گورنمنٹ کے خلاف اس کی ضربات بڑی زبردست پڑتی تھیں۔ جن کو حکام برداشت نہ کرسکے اپریل ۱۸۴۳ء میں اخبار حکماً بند کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد مارکس نے اپنے دوست اور ہمخیال شخص ریوج کو ایک چٹھی میں لکھا:۔

"حکمران جماعت کی آزاد خیالی کا بُرقع اُتر گیا ہے اور قادرِ مطلق مطلق العنانی ساری دُنیا کی آنکھوں کے سامنے عریاں ہو گئی ہے"۔

ریوج نے اس کے جواب میں لکھا:۔

"ایک دو افسر بلکہ خود بادشاہ بھی جرمنی کے سارے اخبارات کو بند نہیں کر سکتا۔ اگر آزاد اخبار نویس نیا میدان جنگ اُن کے خلاف آراستہ کرنا چاہیں۔ تو جرمنی کے باہر کرنا چاہیئے:۔

مارکس نے بھی خیال کیا کہ وہ ملک کے اندر رہ کر کچھ مفید کام نہیں کر سکتا۔

فرانس کے اخبار نویسوں کے مضامین سے اسے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ جو یورپ کی مزدوری پیشہ جماعتوں کا افلاس دُور کرنے کے نئے مسئلہ اشتراک کا وعظ کر رہے تھے۔ نیز سیاسی لبرلزم پر اب وہ قانع نہیں رہا تھا کیونکہ اس میں کسانوں اور مزدوروں کی امداد کرنے کا کوئی علاج

شامل نہ تھے۔ اس لئے اس نے علم اقتصاد اور فرانس کے کیونسٹوں (مسئلہ اشتراک کے حامی) کے مسائل کے مطالعہ کا عزم کیا۔ اس لئے وہ جرمنی سے فرانس چلا گیا۔ جو تمام محبان آزادی کا تیرتھ اور علم و ہنر کا مرکز اور دُنیا کے لئے زبردست اخلاقی ورکشاپ تھا۔

پیرس پہنچنے کے بعد اس کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہؤا۔ وہ ایک نئے آزاد خیال اخبار "ویورٹس" کا ایڈیٹر بن گیا۔ جو جرمن سیاسی تحریک کو ترقی دینے کی غرض سے پیرس سے جاری ہؤا تھا۔ جرمن نوکر شاہی کو اندیشہ پیدا ہؤا۔ اُس نے گورنمنٹ فرانس سے درخواست کی کہ اخبار مذکور کو بند کیا جائے۔

ظالم گورنمنٹیں ایک دوسرے کے خوش کرنے کو ہمیشہ تیار رہتی ہیں۔ اس زمانہ میں فرانس میں ایک عیش پرست بادشاہ لوئی فلپ کی حکومت تھی۔ ماہ جنوری ۱۸۴۵ء میں فرانس کے وزیر موسیو گونزوٹ نے اخبار مذکور کے تمام مضامین نگاروں کو معہ مارکس کے پیرس سے ملک بدر کر دیا۔ مارکس اپنی بیوی اور بچہ کے ساتھ برسلز کو چلا گیا۔ اور وہاں ان جرمن سیاسی جلاوطنوں کے ساتھ ملاقات ہوئی جو وہاں رہتے تھے۔ برسلز میں وہ تین سال تک رہا۔ اس عرصہ میں جرمن اشتراکیوں کے ساتھ اس کا میل جول ہو گیا۔ اور تمام یورپ کے اشتراکیوں سے اس کا سلسلہ ارتباط قائم ہو گیا۔ وہاں اس نے جرمن کاریگروں کا کلب قائم کیا اور اخبار ڈیوشی برو سیر ڈیٹنگ کا اڈیٹوریل چارج سنبھال لیا۔ جو جرمن جلاوطنوں کا اخبار تھا۔ وہ مزدوروں کے لئے پولٹیکل اکونومی پر لکچر دیا کرتا تھا۔ اس نے مختلف اشتراکی سوسائٹیوں کو ایک لیگ میں

منسلک کرنے کی بھی کوشش کی۔ جرمن کے لنڈن کے کلب سے بھی تعلق قائم کیا اور اس کے ممبروں کو اس بات پر رضامند کیا کہ اپنے ہیڈ کوارٹر کو برسلز میں منتقل کریں تاکہ وہ ذاتی طور پر اُن کی رہنمائی کر سکے۔ پھر اُس نے اشتراکی لیگ قائم کر کے ایک اعلان لکھا جو آج تک "اشتراکیوں کے اعلان" کے نام سے مشہور ہے۔ "اشتراکیوں کا اعلان" ۲۴۔ فروری ۱۸۴۸ء کو شائع ہوا۔ اور اسی روز دُنیا نے سُنا کہ پیرس میں انقلاب ہو گیا ہے۔ اور لوئی فلپ شاہ فرانس بھیس بدل کر بھاگ گیا ہے۔ موسیو گوئزوٹ وزیر فرانس بھی جس نے مارکس کو ۱۸۴۵ء میں ملک بدر کیا تھا۔ کسی غیر ملک میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ فرانس میں عارضی گورنمنٹ قائم ہو کر ری پبلک کا اعلان کیا گیا۔ کچھ عرصہ سے جرمن گورنمنٹ حکام بلجیم پر زور ڈال رہی تھی کہ مارکس کو بلجیم سے نکال دیں۔ لیکن اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار فروری ۱۸۴۸ء میں مزدوری پیشہ جماعتوں میں اشتراکیت پھیل جانے سے گورنمنٹ بلجیم بھی حواس باختہ ہو گئی اور مارکس کو گرفتار کر کے بلجیم سے چلے جانے کا حکم دیا گیا۔ لیکن اِس دفعہ بخت نے اس کی یاوری کی ۔

انقلاب فرانس نے اس کے لئے پیرس کا راستہ صاف کر دیا تھا۔ بلکہ گورنمنٹ فرانس نے اپنے ایک رُکن کی معرفت بہادر اور وفادار مارکس سے التجا کی تھی۔ کہ وہ اس ملک میں واپس آ جائے۔ جہاں سے ظلم نے اس کو ملک بدر کیا تھا۔ اور جہاں اس مقدس مقصد کے لئے جنگ ہو رہی ہے۔ جو اُسے عزیز ہے یعنی حریت مساوات اور اخوت چنانچہ مارکس پیرس گیا اور چند مہینے وہاں رہ کر نیو رینش زیٹنگ

نام سے اصول جمہوریت کا پرچار کرنے کی غرض سے ایک اخبار نکالنے کے لئے جرمنی میں واپس آ گیا۔ اس اخبار کا پہلا پرچہ یکم جون ۱۸۴۸ء کو شائع ہوا۔ اس اخبار کو بھی جرمن گورنمنٹ برداشت نہ کر سکی۔ اسی سال موسم سرما میں ایک ڈیموکریٹک کانگریس کولون میں منعقد ہوئی۔ مارکس نے اس کارروائی میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ البرٹ برسبین ایک امریکن سوشلسٹ بھی جلسہ میں شامل تھا۔ اس نے مارکس کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :۔

"میں نے وہاں مارکس کو دیکھا جو تحریک آزادی کا لیڈر تھا۔ مارکس نے مزدوری اور سرمایہ پر جو کچھ لکھا ہے۔ اور سوشلزم کے اصول جو اس نے واضح کئے ہیں۔ اس سے یورپ کی سوشلسٹ تحریک کو اس قدر تقویت ملی ہے کہ کسی لیڈر نے اس تحریک کو اس عروج پر نہیں پہنچایا تھا۔ مارکس نے اسی زمانہ میں شہرت حاصل کرنی شروع کی تھی۔ اس کی عمر تیس ۳۰ سال کے قریب ہو گی پستہ قد مگر گٹھیلے بدن کا آدمی ہے۔ خوبصورت چہرہ اور سیاہ گھونگریالے بال رکھتا ہے۔ اس کی تقریر سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ اس کے اندر انرجی بھری ہوئی ہے۔ اور اس کی خوش اطواری اور خود ضبطی کے پس پشت ایک عزم صمیم اور اعلےٰ جذبات کی آگ روشن ہے وہ سرمایہ کی طاقت سے سخت نفرت کرتا تھا۔ کیونکہ یہ طاقت تباہ کن خود غرضی ہے۔ اور اسی نے مزدوری پیشہ جماعتوں کو غلام بنایا ہوا ہے۔ اس نوجوان کی زبان سے ہماری موجودہ اقتصادی سسٹم کی مخالفت میں جو الفاظ پہلے پہل میں نے سنے۔ وہ اب تک میرے کانوں

میں گونج رہے ہیں۔ اُس وقت کسے خیال ہو سکتا تھا۔ کہ اُس کے خیالات کسی دن ساری دُنیا کو ہلا دینگے۔ اور جن انسٹی ٹیوشنوں کی عزت کی جاتی تھی۔ اُن کی کچھ قدر نہ رہے گی (یعنی کارخانوں کے مالک اور اہل سرمایہ لوگ) سینٹ پال کے ہمعصر لوگ اس وقت کب خیال کرتے تھے۔ کہ دُنیا کے مستقبل پر اس سیدھے سادھے انسان کا کیا اثر ہوگا۔ اس وقت کسے گمان تھا۔ کہ رومن سینٹ اور قیصر روم سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ بلکہ ساری دُنیا کے عیسائی بادشاہوں سے بھی بڑھ کر۔ اسی طرح زمانہ حال میں کارل مارکس کی شخصیت ایسی ہی اہمیت اختیار کر سکتی ہے جیسی کہ سینٹ پال کی ؛

کارل کے اخبار کی آزادانہ تحریریں اور اس کے پولیٹکل ایجی ٹیشن کو جرمن گورنمنٹ گوارا نہ کر سکی۔ آخر ۷ فروری ۱۸۴۹ء کو مارکس اور چند حلیفوں پر مقدمہ قائم کیا گیا۔ کہ انہوں نے سرکاری وکیل اور چند کانسٹیبلوں کی اخبار میں توہین کی ہے ؛

مارکس نے اپنی صفائی میں خود ہی پیروی کی۔ اور عدالت اور جیوری کے سامنے ایک گھنٹہ تک تقریر کی۔ اس نے وزرا کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اس کی تقریر کے آخری جملے یہ تھے :-

" نہ صرف جرمنی کی عام حالت بلکہ پروشیہ کی صورت معاملات ہم اخبار نویسوں پر یہ فرض عاید کرتی ہے۔ کہ گورنمنٹ کی ہر ایک کارروائی کو نہایت شکیہ نظر سے دیکھیں۔ اور موجودہ انتظام حکومت کے خفیف سے خفیف ظلم کی پبلک کے سامنے

علانیہ مذمت کریں۔ صرف جولائی کے مہینے میں ہمیں تین خلافِ
قانون گرفتاریوں کے متعلق صدائے احتجاج بلند کرنی پڑی۔ اخبارات
کا یہ فرض ہے کہ مظلوموں کی حمایت کریں اور ان کی جدوجہد
میں مدد دیں۔ اور صاحبان غلامی کی مورتی پوجا کرنے والے
زیادہ تر ماتحت پولٹیکل افسر ہوتے ہیں جو لوگوں کی پرائیویٹ
زندگی سے بلا واسطہ تعلق رکھتے ہیں۔ محض عام حالت اور
اعلیٰ طاقتوں سے جنگ کرنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اخبارات
کو عزم بالجزم کر لینا چاہیئے۔ کہ کانسٹیبلوں۔ سرکاری وکیلوں
اور کونسلوں تک کی خبر لیں۔ مارچ کے انقلاب نے صرف
اعلیٰ پولٹیکل جماعت کی اصلاح کی ہے۔ لیکن اس جماعت کے
جس قدر حامی تھے ان کے بدستور وہی ہتھکنڈے چلے آتے
ہیں۔ یعنی پرانی نوکرشاہی۔ پرانی فوج اور پرانی عدالتیں۔
پرانے جج جو سب کے سب مطلق العنانی کے دور میں پیدا
ہوئے۔ اسی عہد میں تعلیم پائی۔ اور جنہوں نے اسی طرز حکومت
میں نشو و نما حاصل کی۔ پس اس وقت اخبارات کا اولین
فرض یہ ہے کہ موجودہ سیاسی حالت کے مددگاروں کی خبر لے"

جیوری نے یہ مؤثر تقریر سن کر کارل اور اس کے ساتھیوں
کو بے قصور قرار دیا۔ لیکن دو روز کے بعد یعنی ۹ فروری ۱۸۴۹ء
کو کارل اور اس کے رفیقوں پر ایک نئے الزام میں مقدمہ چلایا
گیا۔ کہ وہ بادشاہ کے خلاف مسلح بغاوت کرنے کے لئے لوگوں
کو اکساتے ہیں۔ یہ الزام اور بھی سنگین تھا۔ مارکس نے اپنی صفائی

میں بڑی زبردست تقریر کی اور ممبران جیوری نے پھر اس کو بے قصور ٹھہرا کر رہا کر دیا۔ بلکہ اہل جیوری نے اپنے ایک ممبر کے ذریعہ اس کی دلچسپ اور سبق آموز تقریر کا شکریہ ادا کیا۔

پھر جلا وطنی

مئی ۱۸۴۹ء میں ڈریسڈن اور صوبجات رائن کے دوسرے مقامات میں بغاوت ہوئی جس سے گورنمنٹ پروشیا کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ مارکس کو ملک بدر ہونے کا حکم ملا اور اس کا اخبار حکماً بند کر دیا گیا۔ اخبار مذکور کا آخری پرچہ ۱۹۔ مئی کو شائع ہوا جو سرخ رنگ کی سیاہی سے چھاپا گیا اور اس میں فرانسیسی زبان میں ایک درد انگیز الوداعی نظم درج کی گئی تھی۔

مارکس کو پھر اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ اور وہ پیرس کو گیا۔ اس کے بعد بہتر ہے کہ اس کو اس کی بیوی کے الفاظ میں بیان کیا جائے افلاس کی وجہ سے ان کے خاندان پر کیا کچھ سختیاں گزریں۔ ان کی کیفیت مسز مارکس کی ڈائری میں اس طرح درج ہے:۔

"ہم پیرس میں ایک مہینہ رہے لیکن یہاں بھی آرام سے بیٹھنے نہ پائے۔ ایک صبح کو سارجنٹ پولیس نمودار ہوا۔ اور یہ حکم ساتھ لایا کہ کارل اور اس کی بیوی کو ۲۴ گھنٹہ کے اندر پیرس سے نکل جانا چاہیئے۔

"میں نے پھر اپنا مختصر اسباب باندھنا شروع کیا۔ تاکہ لندن میں جا کر پناہ لیں۔ کارل وہاں ہم سے پہلے ہی چلا گیا تھا"۔

کارل لندن میں ماہ جون ۱۸۴۹ء کے آخر میں پہنچا اور جولائی میں اس کا چوتھا بچہ ہنری پیدا ہوا۔ کارل مارکس کا سوانح نگار مسٹر سپارگو لکھتا ہے کہ یہ بچہ روز پیدائش سے ہی بلائے افلاس کا شکار ہو چکا تھا اور اس کے بچنے کی امید نہ تھی۔ جیسا کہ غریب والدین کے بچے روز مرتے ہیں۔ یہ بچہ ۱۸۵۲ء کے اوائل میں فوت ہو گیا۔ والدین کو زیادہ صدمہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ جانتے تھے۔ کہ افلاس ہی اس کی ہلاکت کا باعث ہے۔

اقامت لندن کے چند ابتدائی سال سخت مفلسی بلکہ تباہ حالی میں گزرے۔ اکثر خشک روٹی کے سوا اُن کی اور کچھ خوراک نہ ہوتی تھی۔ اور بعض دفعہ مارکس فاقہ ہی کر لیتا تھا۔ تاکہ بچے پیٹ بھر کر کھا سکیں۔ وہ خالی پیٹ اُٹھ جاتا اور برٹش میوزیم میں جا کر مطالعہ میں مصروف ہو جاتا۔ اور بھوک اور سردی سے ادھ مؤا ہو جاتا۔ وہ رسالوں کے لئے مضامین لکھ کر تھوڑا سا روپیہ کماتا تھا۔ جو اُس کے گزارہ کے لئے کافی نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ تنگ آکر ریلوے کے ایک دفتر میں کلرکی کے لئے درخواست دی۔ لیکن یہ درخواست اس وجہ سے نامنظور ہوئی کہ اُس کا خط اچھا نہ تھا۔ تاریخ میں یہ واقعہ بھی یادگار رہے گا۔ کہ جرمنی کے ایک بہت بڑے فلاسفر اور نامی انشا پرداز کو ریلوے کی کلرکی بھی نہ مل سکی۔ بعدازاں وہ نیویارک کے اخبار ٹربیون کا لندنی نامہ نگار مقرر ہو گیا۔ اس خدمت کا معاوضہ ایک پونڈ ہفتہ ملنے لگا۔ مہینوں تک اُس کی آمدنی یہی رہی۔ جس پر کنبہ کا گزارہ تھا۔ جو ہندوستانی انگلستان

آتے ہیں۔ وہ قیاس کرسکتے ہیں کہ اس قلیل رقم میں وہاں کس طرح کوئی کنبہ گذران کرسکتا ہے۔ گورنمنٹ ہند بھی ہندوستانی طلباء کو رہائش انگلستان کے لئے ۳ پونڈ فی ہفتہ سے کم وظیفہ نہیں دیتی مکان میں صرف دو کمرے تھے۔ جن میں سے ایک کمرہ خوابگاہ کے کام میں لایا جاتا تھا۔ اور دوسرا باورچی خانے اور مطالعہ اور ڈرائنگ روم کا کام دیتا تھا۔ بڑے بڑے آدمی جو ملنے آتے یا اہم سیاسی معاملات یا سوشل نظام کے متعلق مشورے لینے آتے ۔ اسی چھوٹے سے مکان میں اُن کو آنا پڑتا تھا۔ لندن میں جس طرح اُس کی زندگی گذرتی تھی اُس کا حال مسز مارکس کی چٹھی سے واضح ہوتا ہے جس میں درج ہے":۔

"کوئی شخص ہماری بابت یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ برسوں تک جو قربانیاں ہم نے کی ہیں یا جو تکلیفیں اُٹھانی پڑی ہیں اُس کی نسبت حرفِ شکایت زبان پر لائے ہوں۔ اپنی ذاتی مشکلات کے متعلق ہم نے باہر کبھی کسی کو آواز نہیں سُنائی۔ اخبار (نیو رینش گزٹ) کی سیاسی عزّت اور اپنے دوستوں کو بدنامی سے محفوظ رکھنے کی خاطر مارکس نے سارا بوجھ اپنے اوپر لیا۔ ساری آمدنی قربان کردی اور چلتے ہوئے اڈیٹروں کی تنخواہیں اور دوسرے بل ادا کئے۔ جبکہ وہ ملک سے جبراً نکالا گیا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے اپنے لئے کچھ باقی نہیں رکھا میں اپنے چاندی کے برتن رہن رکھنے فرینکفورٹ کو گئی۔ جو ہماری آخری جائداد تھی۔ اور کولون میں مَیں نے اپنا فرنیچر فروخت کیا۔ تمہیں لندن اور اُس کے حالات کا بخوبی علم ہے تین بچے پہلے سے تھے۔ اور چوتھا اور پیدا ہوا ہو تو کیا کچھ خرچ کرنے کو چاہیئے۔

خالی کرایہ مکان ہم ۲۴ ڈالر ماہوار ادا کرتے رہے ہیں۔ ہماری تھوڑی سی پونجی بہت جلد ختم ہو گئی۔ بچہ کے لئے دایہ نوکر رکھنے کا سوال ہی فضول تھا۔ اس لئے بچہ کو میں نے خود ہی دودھ پلایا۔ حالانکہ سینے اور پیٹ میں ہمیشہ درد رہتا تھا۔ مگر بیچارے چھوٹے فرشتے نے میری خاموش اشانتی سے اس قدر حصہ لیا کہ اول روز سے ہی وہ بیمار رہتی تھی۔ اور رات دن درد و تکلیف میں پڑی رہتی تھی۔ ایک روز میں سوچ و فکر میں بیٹھی ہوئی تھی کہ ہماری مالکہ ناگہانی طور پر آموجود ہوئی۔ جس کو موسم سرما کے اندر ہم ۲۵۰ ڈالر کرایہ میں ادا کر چکے تھے۔ اور جس کے ساتھ ہمارا معاہدہ تھا۔ کہ اس کے بعد ہم کرایہ اصلی مالک کو ادا کرینگے۔ لیکن اس نے معاہدہ سے ہی انکار کر دیا۔ اور ۵ پونڈ کا مطالبہ کیا۔ یعنی جو کرایہ ہمارے ذمہ باقی تھا اُس وقت ہمارے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ دو کانسٹیبلوں کو بلا لائی جنہوں نے ہمارا اسباب قرق کر لیا۔ بستر۔ چادریں۔ تمام کپڑے۔ حتیٰ کہ میرے بچہ کا پنگھوڑہ اور دونوں لڑکیوں کے کھلونے تک جو کھڑی زار و قطار رو رہی تھیں۔ اُنہوں نے کہا کہ دو گھنٹہ کے اندر اندر ہم یہ سب چیزیں لے جائینگے۔ میں زمین پر بغیر فرش کے پڑی ہوئی تھی۔ اور بچے سردی سے سکڑ رہے تھے۔ دوسرے روز ہمیں مکان خالی کرنا پڑا۔ اُس وقت سردی شدت کی تھی۔ بارش ہو رہی تھی اور موسم بھیانک تھا۔ میرا شوہر مکان کی تلاش میں سرگردان پھرتا رہا۔ کوئی شخص بھی جب یہ سنتا کہ ہمارے ساتھ چار بچے ہیں مکان کرایہ پر دینے کو رضامند نہ ہوتا۔ آخر ایک دوست نے ہماری مدد

کی۔ تب کرایہ ادا ہوا ؛

"(۱) ڈبل فروش۔ روٹی والے اور قصاب اور شیر فروش کا حساب چکانے کے لئے میں نے اپنا بستر بیچ دیا۔ کیونکہ وہ سب کے سب گھبرائے ہوئے تھے۔ اور سب نے ایک دم سے اپنے بل پیش کر دیئے تھے۔ آخر اسباب کی ہر ایک شئے فروخت کر کے ہم نے سب کے دام دام چکا دیئے۔ اور میں اپنے بچوں کو لے کر جرمن ہوٹل کے دو کمروں میں آ رہی۔ لیکن یہ خیال نہ کرنا کہ ان معمولی تکلیفوں سے ہمارے ارادوں میں لغزش آ گئی ہے۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ دُنیا میں اکیلے ہم ہی نہیں ہیں جو تکلیفیں جھیل رہے ہیں۔ بلکہ میں خوش ہوں کہ میرا شمار اُن خوش قسمت لوگوں میں سے ہے جن کو پرماتما نے چُن لیا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے پیارے بندوں کو ہی آزمائش میں ڈالتا ہے۔ اور مجھے یہ تسلی ہے۔ کہ میرا پیارا شوہر میرے سر کا تاج اور میری جان کا سہارا میرے ساتھ موجود ہے" ؛

" ایک پتی برتا بہادر عورت کی اس خود بیان کردہ سرگذشت پر کوئی رائے زنی کرنا شاید پاپ ہوگا۔ ۱۸۵۲ء کے موسم بہار میں اُن کی چھوٹی لڑکی جو ایک سال کی تھی فوت ہو گئی۔ اس وقت مارکس کس قدر مبتلائے افلاس تھا۔ اس کی کیفیت مسز مارکس کی ڈائری میں اس طرح درج ہے "؛

" اسی سال تہوار ایسٹر کے روز ہماری بیچاری فرینس کا سخت کھانسی کے مرض سے راہئ ملک بقا ہوئی۔ اُس نے ۳ روز تک موت سے کشتی کی۔ اُس کی نعش پچھلے کمرہ میں پڑی تھی۔ اور ہم سب

آگے کے کمرہ میں چلے گئے۔ اور جب رات ہوئی۔ تو ہم نے اپنے بستر فرش زمین پر بچھائے۔ اور تینوں بچے ہمارے ساتھ لیٹے ہوئے تھے۔ اس بچہ کی موت ایسے وقت میں ہوئی۔ جبکہ ہم انتہائی افلاس کی حالت میں تھے۔ ہمارے جرمن دوست ہماری مدد نہ کر سکے۔ میں بادل پرُحزن ایک فرانسیسی پناہ گزین کے پاس گئی جو ہمارے قریب رہتا تھا۔ اور جو چند بار مجھے ملنے آیا تھا۔ میں نے اس سے اپنی ضرورت بیان کی۔ اُس نے فوراً نہایت مہربانی سے مجھے دو پونڈ دیئے۔ جس سے ہم نے چھوٹا سا تابوت خریدا۔ جس میں بچہ آرام کی دائمی نیند سویا"۔

کارل پر چوری کا شبہ

انہیں دنوں میں ایک دلچسپ واقعہ گذرا۔ جس نے ایک چیز۔ رہن رکھنے والے دُکاندار کو جسے انگریزی میں "پون بروکر" کہتے ہیں زندہ جاوید کر دیا۔ کیونکہ جب تک کارل مارکس کی سوانحعمری دُنیا میں باقی ہے۔ اُس کا ذکر ضرور آئے گا۔ مارکس چند پُرانے چاندی کے چمچے رہن رکھنے چاہتا تھا۔ جو اُس کی بیوی کو اپنے میکے سے ورثہ میں ملے تھے۔ اور جن پر خاندان آرگائل کا نام کندہ تھا۔ جس نام سے کہ اُس کے آباؤ اجداد کا خاندان مشہور تھا۔ "پون بروکر" نے جب یہ قیمتی چمچے ایک پھٹے حال جرمن کے ہاتھ میں دیکھے تو اُسے شک پیدا ہوُا۔ اور اُس نے پولیس میں رپورٹ کر دی۔ آخر پولیس کے سامنے تشفی بخش جواب دے کر مارکس بڑی مشکل سے گرفتار ہونے سے بچا"۔

"مینز ہنی کی سوانحعمری میں بھی ایک پون بروکر کا ذکر آتا ہے۔ در اصل یورپ کو پون بروکروں کا ممنون ہونا چاہیئے کیونکہ آزادی کی تحریک کو اُن سے بڑی مدد ملی ہے۔ تحریک آزادی کا کونسا لیڈر تھا۔ جس کو اُن سے واسطہ نہیں پڑا۔ اور جن کو بعض موقعوں پر اپنی چیزیں رہن نہیں رکھنی پڑیں۔ مارکس کو بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی رقمیں بڑے بھاری سود پر یعنی ۲۰ فی صدی سے ۵۰ فی صدی سود پر قرض لینی پڑتی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل سرمایہ میں سے بعض کمینے آدمی نادانستہ طور پر اپنے سخت ترین دشمن سے کس طرح انتقام لیتے رہے تھے۔ جس نے تمام عمر اس کوشش میں صرف کی کہ نکان۔ سود اور منافع کا نام و نشان روئے زمین سے مٹادے۔ ایک دو مرتبہ مارکس کو یہ بھی خیال آیا۔ کہ وہ کوئی تجارت شروع کردے۔ کیونکہ بچوں کی مصیبت اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی لیکن بہادر بیوی نے اس کو ایسا کرنے سے باز رکھا۔ اور کہا کہ تحریر کے کام میں لگے رہو۔ اور اس طور سے اسے سخت غلطی سے بچالیا"۔

مصیبت کا دور

"اپنی سہیلی مسز ویڈی میر کو مسز مارکس نے ۱۱۔ مارچ ۱۸۶۱ء کو ایک چٹھی کے دوران میں لکھا تھا"۔

"یہاں ہماری زندگی کے چند پہلے سال سخت مصیبت کے گذرے ہیں لیکن میں ان کی تلخ یاد کا بالتفصیل ذکر نہیں کروں گی۔ نہ ان نقصانات کا جو ہم کو اٹھانے پڑے۔ نہ پیارے بچہ کی مفارقت

کا صدمہ بیان کروں گی۔ جس کی تصویر ہمارے دلوں پر نقش ہے۔ پھر امریکہ سے جو ہمیں آمدنی ہوتی تھی وہ نصف رہ گئی (یعنی نیو یارک ٹربیون سے) اور پھر ہمیں اپنے اخراجات کم کرنے پڑے۔ بلکہ ہم مقروض ہو گئے۔ اب میں اپنی زندگی کا روشن پہلو بیان کرتی ہوں جس سے ہمارے اور ہمارے بچوں کی ہستی کو شادمانی کی شعاع منور کرتی ہے۔ لڑکیاں ہمارے لیئے مسلسل خوشی کا باعث ہیں۔ کیونکہ وہ بڑی محبت کرنی اور خود غرضی سے پاک ہیں۔ اُن کی چھوٹی بہن سارے گھر کا کھلونہ ہے ایک موقع پر مجھے بڑا سخت بخار چڑھا۔ ہمیں ڈاکٹر کو بلانا پڑا۔ ۲۰ نومبر کو ڈاکٹر آیا اور میرا غور سے معائنہ کیا۔ بڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد آخر اُسے کہا۔ میری پیاری مسز مارکس! میں افسوس کے ساتھ تم سے کہتا ہوں کہ تمہیں چیچک نکلی ہے۔ اس لئے بچوں کو اس گھر سے فوراً اور کسی جگہ بھیج دینا چاہیئے۔ ڈاکٹر کے اس فتوے پر سارے گھر کو جو پریشانی ہوئی وہ تم بخوبی قیاس میں لا سکتی ہو۔ اور ابھی مجھے بمشکل صحت ہوئی تھی۔ اور میں بسترِ علالت سے اُٹھی تھی کہ میرا پیارا شوہر بیمار ہو گیا۔ ہر قسم کے اندیشوں اور تشویشوں اور انواع و اقسام کے تفکرات نے اس کو نڈھال کر دیا تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ چار ہفتوں کی علالت کے بعد وہ تندرست ہو گیا۔

میری پیاری سہیلی میں دُعائے خیر و برکت بھیجتی ہوں۔ خدا کرے کہ ان آزمائش کے دنوں میں تم حوصلہ مند اور مستقل مزاج رہو دُنیا دلیر آدمیوں کے لئے ہے۔ اپنے پیارے شوہر کی وفاداری کے ساتھ مدد کرتی رہو۔ اور دل اور دماغ کو بشاش رکھو"۔ (تمہاری

صادق سہیلی جینی مارکس)

مذکورہ بالا چند سیدھے سادے فقروں میں مارکس کے گھر کا سارا نقشہ کھینچا ہوا ہے۔کہ یہ چھوٹا سا کنبہ مفلسی اور بیماری سے تباہ حال اور تشویش اور پریشانی میں مبتلا تھا۔تاہم محبت کی روشنی سے منور اور پیارے بچوں کے قہقہوں سے گونج رہا تھا۔اور ہر روز کی تکلیفوں اور بدقسمتی کے زہر کا تریاق یہی چیز ہیں۔غرضیکہ وہ بڑا فلاسفر اور اس کی جاں نثار اور زندگی کی رفیق ظاہر میں خستہ حال مگر باطن میں شاد کام تھے۔ وہ اکثر ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جرمن زبان میں پریم کے نغمے گاتے ہوئے گھر کے کمرہ میں اِدھر سے اُدھر چہل قدمی کیا کرتے تھے جس طرح کہ وہ عالمِ نوجوانی میں اپنے وطن مالوفہ میں درختوں کے نیچے موسمِ بہار میں گلگشت کیا کرتے تھے۔جو جرمن گیت وہ اکثر گایا کرتے تھے۔ اس کے معنی کو ذیل کے اردو اشعار بخوبی ظاہر کرتے ہیں:

عورت ذات کی فطرت

اے دختر آدم یہ تو بتا کیوں تیری نرالی بنی سرشت

تو ناک چڑھائے رہتی ہے جب گھر ہو تیرا رشک بہشت

جب دُور ہو ہر آسائش کا بے فکری اور خوشحالی کا

خوش کرنا کتنا مشکل ہے بجھ ناز اور نخروں والی کا

پر بھائی بیٹے شوہر پر جب مشکل آکر پڑتی ہے

تب جوہر تیرے کھلتے ہیں تو موت سے کشتی لڑتی ہے

اُس وقت پتہ لگتا ہے کیسا پریم کا محکم رشتہ ہے

تو عورت ہے یا دیوی ہے یا سچ مچ کوئی فرشتہ ہے

باوجود ہر قسم کی تنگدستی کے لندن کے کاریگروں کو پولیٹیکل اکونومی پر جو لیکچر دیا کرتا تھا۔ اس کا کبھی معاوضہ لینا منظور نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس نے اصول مقرر کر رکھا تھا۔ کہ مزدوری پیشہ لوگوں سے کچھ مدد نہ لے۔ جن کا وہ خود خادم تھا۔ اس عسرت اور خستہ حالی کے زمانہ میں جرمنی کے وزیراعظم پرنس بسمارک نے مارکس کو بالواسطہ طور پر رشوت دینے کی کوشش کی۔ تاکہ وہ عوام الناس کی خدمت کرنے اور مزدوروں میں بیداری کی روح پھونکنے سے باز آجائے۔ بڑی چالاکی سے کام لیا گیا تھا۔ مگر جرمن وزیراعظم کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی ؛

بسمارک نے مارکس کے ایک قدیم دوست کی معرفت جس کا نام بوچر تھا۔ اور جو سرکاری آدمی بن گیا تھا۔ اور ان دنوں بسمارک کی مونچھ کا بال بنا ہؤا تھا۔ مارکس کو دام میں پھنسانا چاہا۔ بوچر نے سرکاری ملازمت اختیار کرنے کے بعد بھی مارکس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے تھے۔ اس نے ۸۔ اکتوبر ۱۸۶۵ء کو ایک چٹھی مارکس کے نام لکھی جس کے ضمن میں یہ فقرات بھی درج تھے :۔

"سٹائس انزیجر (سرکاری اخبار) کے لئے لندن کے ساہوکارہ یعنی ہنڈیوں وغیرہ کے بازار کی ماہواری رپورٹیں درکار ہیں مضامین کی طوالت کے متعلق کوئی حد قائم نہیں کی جاتی۔ ازراہ کرم مجھے یہ بتلاؤ کہ آیا تم یہ کام کرنے کو رضامند ہو۔ اور اس کا معاوضہ کیا لینا پسند کروگے؟..... اس سے پہلے کہ ترقی ختم ہو۔ اس میں کئی بار تبدیلیاں

ہونگی۔ اس لئے جو شخص اپنی زندگی میں قوم کی خدمات کرنا چاہے۔ اُس کو چاہئے کہ گورنمنٹ کے گرد جمع ہو"۔

چٹھی کا نیش اُس کی دم ہیں ہے۔ آخری فقرہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ مارکس کی تحریروں کو خریدنے کا کیا منشاء ہے۔ لیکن مارکس اس چال کو تاڑ گیا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ خواہ آزاد مضامین نگار کی حیثیت سے ہی صحیح مگر ایک سرکاری اخبار کے ذریعہ روزی حاصل کرنے سے وہ اپنے پیرووں میں اچھی نظر سے نہ دیکھا جائیگا۔ اس لئے اُس نے ایک سرکاری اخبار کا ہنڈیاون کے بازار کا رپورٹر ہونا بھی پسند نہ کیا۔ اور صاف انکار کر دیا۔ اگرچہ روپیہ کی اُسے سخت ضرورت تھی۔ لیکن اپنی تحریک کو ذرا سا نقصان پہنچا کر بھی وہ روپیہ کمانا گوارہ نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے اپنی ذاتی ضروریات پر اصول کو ترجیح دی۔ بسمارک کی یہ کوشش کہ رعایا کے لیڈر کو رشوت دے کر اپنی طرف توڑ لے۔ بالکل ناکام رہی"۔

مزدوروں کی بین الاقوامی انجمن

سنہ ۱۸۶۴ء میں مارکس نے اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مزدوروں کی بین الاقوامی انجمن قائم کی۔ جس نے چھ سات سال تک یورپ کی سیاسیات پر بڑا اثر ڈالا۔ اس انجمن میں میزینی اٹلی کے کاریگروں کی طرف سے ڈیلیگیٹ مقرر ہؤا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد وہ اس سوسائٹی سے علحدہ ہو گیا۔ کیونکہ اس کے تمام اصولوں اور طریقوں سے اُسے اتفاق نہ تھا۔ یہ عظیم الشان انجمن تاریخ میں محض "دی انٹرنیشنل" (بین الاقوام)

کے نام سے موسوم رہی ہے۔ یہ ایسا لفظ ہے۔ کہ فرانس۔ اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کے مزدوروں میں اس کے سنتے ہی بجلی سی دوڑ جاتی ہے اس کے سالانہ اجلاس مختلف ممالک کے مختلف شہروں میں ہوتے تھے۔ اور پروگرام مرتب ہوتے اور ریزولیوشن پاس کئے جاتے تھے۔ لیکن اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا۔ کہ مختلف ممالک کے مزدوری پیشہ لوگوں میں اتحاد اور اتفاق مضبوط ہوتا تھا۔ مارکس کا نعرہ جنگ کہ "سب ملکوں کے مزدور متحد ہو جاؤ۔ سارے یورپ میں گونج گیا" اس تحریک کی بابت لندن ٹائمز نے لکھا تھا کہ "دین مسیحی قائم ہونے اور پرانی دُنیا کی تباہی کے زمانہ کے بعد سے مزدوروں کی اس بیداری کے مانند اور کوئی زبردست تحریک آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس انجمن کے لیڈروں کو کئی گورنمنٹوں نے اذیتیں دیں۔ لیکن سال بسال اُن کی طاقت بڑھتی ہی گئی"۔

آخر ۱۸۷۱ء جنگ جرمنی و فرانس اور پیرس کے اشتراکیوں کے بلووں سے تحریک تباہ ہوگئی۔ کیونکہ اس کے اکثر سرگرم ممبر کام آگئے اور دوسرے حامی خوفزدہ ہوگئے۔ علاوہ ازیں فریقوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک فریق وہ تھا۔ جس کا لیڈر مارکس تھا۔ جو امن پسندانہ اور آئینی طریقوں پر کاربند تھا۔ اور دوسرا فریق انقلاب پسند تھا جس کا لیڈر روسی فلاسفر مائکل بکونن تھا۔ اس نفاق کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انجمن مذکور ۱۸۷۶ء میں ٹوٹ گئی۔

مارکس کی تصانیف

مارکس کی تحریری سرگرمی کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ مضامین پمفلٹ۔ چٹھیاں۔ اعلانات اور بیشمار تحریریں تحریک کی ترقی کی خاطر رکھتا رہتا تھا۔ بعض پمفلٹ محض مخالفوں کی تردید میں ہوتے تھے۔ وہ چنداں قابل ذکر نہیں۔ مگر اس کی چھوٹی سی کتاب " لاگت۔ قیمت اور منافع" اور ضخیم کتاب " پولٹیکل اکونومی کا معترض" دائمی دلچسپی کی تصانیف ہیں۔ لیکن اس کی معرکتہ الآرا تصنیف "دی کیپٹل" (سرمایہ) ہے جس پر اس کی شہرت اور ناموری کا حصر ہے۔ اور جو "سوشلزم کی بائبل" سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کی پہلی جلد مارکس زندگی میں ہی شائع ہوگئی تھی اور دوسری اور تیسری جلد کو مارکس کے دوست فریڈرک انگل نے اس کے نوٹوں سے مارکس کی وفات کے بعد مکمل کیا۔ سوشلزم کی تاریخ میں انگل کی مارکس کے ساتھ بھگتی۔ قابل ذکر واقعہ ہے۔ انگلستان کے دوران رہائش میں مارکس نے جو تکلیفیں اٹھائیں۔ اُن سے بعد میں انگل نے اپنی فیاضی سے اس کو سبکدوش کر دیا تھا۔ انگل کا نام اس کے دوست مارکس کے ذکر کے ساتھ ضرور آتا ہے۔ اور کوئی شخص مارکس کا خیال نہیں کرسکتا۔ بغیر اس کے کہ انگل بھی ساتھ ہی یاد نہ آجائے۔ کتاب دی کیپٹل بڑی ضخیم ہے۔ وہ بجائے خود ایک شاستر ہے۔ سوشلسٹوں کی مہم کے لئے ہر ملک میں یہ عقلی میگزین کا کام دیتی ہے۔ مارکس کو اس بات کا بڑا قلق تھا۔ کہ وہ اس کتاب کو اپنی موت سے پہلے ختم نہ کرسکا۔"

سفرِ آخرت

۱۸۸۱ء میں مارکس کی چاہیتی بیوی فوت ہو گئی۔ اور ۱۴۔ مارچ ۱۸۸۳ء کو وہ خود بھی دُنیا سے چل دیا۔ آرام کُرسی پر بیٹھے ہوئے مسکراہٹ کے عالم میں اُس نے پران چھوڑ دئے۔ ۱۳ سال سے اُس کی صحت بگڑی ہوئی تھی۔ کام کی کثرت۔ خراب خوراک۔ فکر و تشویش اور دماغی تکان نے جسم کے نظام کو بگاڑ دیا تھا۔ جگر کی خرابی اور رات کو نیند نہ آنا جو تمام دماغی کام کرنے والوں کا انعام ہے اس کے حصہ میں بھی آیا تھا۔ خرابی صحت کی سزا عموماً تمام اعلےٰ دماغ کے لوگوں کو ملتی ہے۔ روسیو۔ ڈارون۔ ہربرٹ سپینسر۔ کومٹی اور بہت سے دوسرے فلاسفروں کو تمام عمر خرابی صحت سے جنگ کرنی پڑی ہے۔ مارکس ہائیگیٹ کے قبرستان میں مدفون ہوا۔ جہاں پہلے سے اس کی بیوی آرام کی نیند سوتی تھی۔ چند سال ہوئے۔ تجویز کی گئی تھی۔ کہ اس کی یادگار اس کی قبر پر قائم کی جائے۔ اس پر اس کے ایک پیرو نے لکھا۔ کہ مارکس کی یادگار تو موجود ہے۔ مگر ڈھالے ہوئے پیتل یا سنگ تراش کے پتھر کی صورت میں نہیں۔ بلکہ نوع انسان کے دلوں میں ہے۔ تمام بین الاقوامی سوشل تحریک اسی کی یادگار تو ہے۔ اور سوشلسٹ طاقتوں کی ہر ایک نئی فتح اس یادگار کو بلند کرتی ہے"۔

مارکس کے خیالات

اب ذرا ان خیالات اور اصولوں پر غور کرنا چاہیئے جو مارکس نے دُنیا کے سامنے پیش کئے ہیں :-

مَیں اُن لوگوں میں سے ہوں جو ان اصولوں کو زیادہ اہمیّت نہیں دیتے۔ اور اُن کو یکطرفہ اور ناقص خیال کرتے ہیں۔ البتہ اس بنیاد پر اُن کو حق بجانب ٹھیرایا جا سکتا ہے۔ کہ مزدوری پیشہ جماعتوں کی جائز تمناؤں کے لئے ایک برائے نام بُنیاد مل جاتی ہے۔ روسیوں کی سوشل قرار داد کا اصول قائم ہو گیا۔ جو اُس زمانہ کی سخت ضرورت تھی۔ اسی طرح مارکس کا یہ اصول کہ دو جماعتوں میں ہمیشہ کشمکش جاری رہتی ہے۔ اور چیزوں کی قیمت کے متعلق اس کا قائم کردہ اصول چنداں درست اور قابل تسلیم نہیں ہیں۔ لیکن وہ مزدوری پیشہ جماعتوں کے زمانہ حال کے عملی آدرشوں کے مظہر ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان کو زیادہ ہر دلعزیزی حاصل ہوئی۔ پروفیسر ولیم جیمس کا قول ہے کہ تھیوری محض ایک سٹول ہے جس پر بیٹھ کر کام کیا جاتا ہے"۔

مارکس کے تین بڑے اصول

مَیں مارکس کے تین بڑے اصولوں کا ذکر کروں گا۔ اس کے بعد کمیونزم (اشتراکیت) کے عملی پہلو کی مختصر سی توضیح کروں گا۔ مارکس کہتا ہے کہ اقتصادی حالتیں نوع انسان پر تقریباً پورے طور پر حاوی ہیں

جو اس کے سیاسی انسٹی ٹیوشنوں بلکہ اس کی مذہبی اور ادبی زندگی کو بھی سانچہ میں ڈھالتی ہیں۔ پیداوار کے طریقوں سے تمام سوشل بناوٹ اور خیالات اور آدرسوں میں بڑی بھاری تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ اس فلسفہ کو "تاریخ کا مادی مفہوم" کہتے ہیں۔ یہ صرف آدھی سچائی ہے۔ مگر مارکس اس کو بطور سالم سچائی کے پیش کرتا ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ نوع انسان چند اصول ارتقاء کے تابع ہے۔ جو صنعتی حالتوں پر انحصار رکھتے ہیں۔ گویا کہ سوشل ارتقاء بہت سے پہلوؤں میں حیوانی اور طبعی ارتقاء کے مشابہ ہے۔ اور چند خاص قوانین اس پر حاوی ہیں جن کا درست کرنا ضروری ہے ہم کو سوسائٹی کے ان میلانات طبع کے موافق کام کرنا چاہیئے۔ جو اُس میں موروثی طور پر موجود ہیں۔ اور سوسائٹی کو ترقی دینی چاہیئے سوشل ارتقاء کا یہ مفہوم ہربرٹ سپنسر کے خیال سے ملتا جلتا ہے۔ میں اس خیال کو اس غرض سے ظاہر کرتا ہوں۔ تاکہ اس اختلاف کروں انسانی سوسائٹی ذرّوں کا مجموعہ نہیں ہے۔ اور انسان مشین نہیں ہے۔ اور سوشل ارتقاء مسلسل ترقی نہیں ہے۔ سوشل ترقی کے قوانین کہیں ظاہر طور پر نظر نہیں آتے۔ بلکہ انسان کی تاریخ کو طبعی حالات گرد و پیش اور انسان کی مرضی بناتی ہے۔ تہذیب کے متعلق کارلوں کی یہ تھیوری۔ کہ تہذیب شخصی اثرات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ سچائی کے زیادہ قریب ہے بہ نسبت اُس مشین کے مانند سائنٹیفک ارتقاء کے اصول کے جو مارکس اور سپینسر نے بیان کیا ہے۔ مارکس ارتقاء میں ساماجک پسند کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ تاہم وہ

"قوانین" ترقی کو غالب خیال کرتا ہے۔ اور انسانی میلان طبع کو دُوسرے درجہ پر رکھتا ہے۔ تاریخ کی یہ ترجمانی غلط اور گمراہ کن ہے۔ تاریخ کسی قانون یا ترکیب یا میلان کا پتہ نہیں دیتی۔ صرف تبدیلی کا واحد قانون دکھائی دیتا ہے۔ باقی سب گڑبڑ ہے جس کو بڑے بڑے فلاسفر ایک قانون کے انضباط میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں"

جماعتوں کی کشمکش

دُوسرا اصول جو مارکس نے پیش کیا ہے وہ جماعتوں کی باہمی کشمکش کی تھیوری ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دُنیا کی تاریخ اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کہ مخالف جماعتوں کی باہمی کشمکش کی روئداد ہے اور اس کی وجہ سے بہت کچھ ترقی اور تنزل قوموں کی حالتوں میں ہوا ہے۔ کیمونسٹوں کے اعلان میں درج ہے"

"آزاد آدمی اور غلام۔ زمیندار اور مزارعہ۔ آقا اور ملازم سُود خوار اور مقروض۔ اور ایک لفظ میں یہ کہ ظالم اور مظلوم ہمیشہ ایکدوسرے کے مخالف رہتے ہیں۔ اور ان کے درمیان کبھی کھُلی اور کبھی پوشیدہ مسلسل جنگ جاری رہتی ہے۔ ہمارے زمانہ کے طبقہ متوسط نے کسی قدر اس کشمکش کو نمایاں کر دیا ہے۔ لیکن سوسائٹی بحیثیت مجموعی دو مخالف جماعتوں میں منقسم ہے"

اس طور سے مارکس نے تاریخی ارتقاء کے ایک پہلو کو ایک عالمگیر قانون قرار دیدیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مختلف جماعتیں

موجود ہیں اور اُن میں جنگ بھی ہوتی رہی ہے۔ لیکن اس کو تاریخ کا عطر نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ یہ تاریخ کا سرچشمہ ہے۔ جماعتوں کے جنگ سارے ناٹک کا صرف ایک پارٹ ہے۔ اور میں اس خیال کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ کہ سوسائٹی کسی خاص حدبندی کے قاعدہ سے منقسم ہے۔ یہ جماعتی خود غرضی نہیں۔ بلکہ سوشل تعاون ہے۔ جو ہر ایک دَور میں ترقی کا باعث رہا ہے۔ اور مارکس نے بھی خود اپنا لہجہ بدل لیا تھا۔ جس وقت اُس نے متوسّط طبقہ کا تعاون حاصل کرنا چاہا تھا"۔

یہ جماعتوں کی جنگ کی تھیوری ایک خطرناک خیال تھا۔ چنانچہ مزدوروں نے کہا۔ کہ مارکس کو اس تاریخ سے نکال دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے۔ وہ طبقہ متوسّط کا آدمی ہے پس غلط تھیوریوں کا انجام ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے"۔

اشیاء کی فالتو قیمت

سوشل فلاسفی کے اندر مارکس کا تیسرا اصول اشیاء کی زائد قیمت کا مسئلہ ہے۔ مارکس نے غور کیا کہ اہل سرمایہ مالدار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ کاریگر کو اس کی بنائی ہوئی شے کی پوری قیمت نہیں دیتا اس لئے اہل سرمایہ جس کو منافع کے نام سے موسوم کرتا ہے وہ دراصل اس شے کی زائد قیمت ہے۔ جو وہ کاریگر سے چھین لیتا ہے۔ اس خیال کے واضح کرنے میں مارکس نے بڑی جدّت ظاہر کی ہے۔ جو اس کے کام کا بہترین حصہ ہے لیکن مجھے ان غلط فہمیوں (؟) [illegible]

ہیں زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ اور مارکس نے "قیمت" کی جو تشریح کی ہے اس پر قدیم پولیٹیکل اکونومی کے نقطۂ خیال سے بہت کچھ اعتراض ہو سکتا ہے۔ اور اس نے لکھا کہ موجودہ لغو انتظامات حکومت کے اندر قیمت کے متعلق کوئی سائنٹفک تھیوری نہیں ہو سکتی۔ اس معاملہ میں زیادہ تیقن کے ساتھ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ میں زمانہ حال کے غارتگر طریق اقتصاد کی کیچڑ کو کھولنا نہیں چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ کاریگروں اور کاشتکاروں کو ان کی واجبی اُجرت سے محرُوم رکھا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کارخانوں کے مالک اور زمیندار اُن کی محنت کی کمائی پر موٹے ہوتے ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ حریص سرمایہ داروں کے ہاتھ پیداوار کے چلے جانے سے سوسائٹی کو بہت نقصان پہنچتا ہے"۔

کمیونزم کیا ہے؟

اب ہندوستانی ناظرین جاننا چاہیں گے کہ کمیونزم (اشتراکیت) کیا شے ہے۔ جس سے مارکس کو اس قدر محبت تھی۔ یہ بالکل صاف اور سیدھا سادہ فلسفہ اقتصاد ہے۔ جو کہتا ہے کہ

زمین کسی کی ملکیت نہیں ہے

زمین کسی فرد واحد یا خاندان یا جماعت کی ملکیت نہ ہونی چاہئے بلکہ ساری قوم کی مشترکہ ملکیت سمجھنی چاہئے۔ کیونکہ خوراک۔ لباس۔ ایندھن اور ادویات وغیرہ ہر ایک چیز کا جس کی نوع انسان کو ضرورت

ہے۔ زمین منبع اور مخزن ہے۔ فی الحقیقت دھرتی ہماری ماتا ہے۔ لیکن جب چند اشخاص زمین پر قابض ہو جائیں اور دوسروں کو بیدخل کر دیں تو آخرالذکر لوگ روٹی یعنی اپنی بقاء کی خاطر لازمی طور پر زمینداروں کے یعنی قابضان اراضی کے غلام بن جائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ مالکان اراضی اپنی تفریح کے لئے زمین کو کام میں لائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زمیندار اراضی کا استعمال خود غرضی سے کریں۔ یعنی وہ اپنی سیر و تفریح کے لئے باغات یا پارک بنالیں یا شکر سازی سے فائدہ اُٹھانے کے لئے چقندر کی جڑیں کاشت کرالیں۔ حالانکہ قوم کو گیہوں کی ضرورت ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بڑے بڑے قطعات اراضی کو اپنی بھیڑوں اور مویشیوں کی چراگاہوں کے لئے خالی چھوڑ دیں۔ جبکہ دُوسرے لوگ فاقوں سے مر رہے ہوں۔ پس زمین کی شخصی ملکیت کا نتیجہ غلامی۔ افلاس اور انسانوں کے مابین باہمی نزاع ہوتا ہے۔ اس لئے زمین کسی شخص کی بھی ملکیت نہیں ہے۔ اس قدرتی قانون کو تمام قومیں اپنی تاریخ کے آغاز سے ہی بخوبی سمجھتی تھیں۔ لیکن ہر ملک میں زبردست اور حریص لوگوں نے بڑے بڑے قطعات اراضی اپنے قبضہ میں کر لئے۔ اور پھر اُنہوں نے دُوسرے آدمیوں کو مجبور کیا کہ وہ ان کے لئے کام کریں اور اُن کو "مزارعان" کے نام سے موسوم کیا۔ اب کمیونزم" اشتراکی تحریک" کا مقصد یہ ہے کہ زمین کو تمام قوم کی ملکیت سمجھا جائے۔ اور وہ ایک جمہوری حکومت کے قبضہ میں ہو۔ اور سب کے فائدہ کے لئے وہی اُس کا انتظام کرے"۔

روپیہ کا جادو

"کمیونزم کا دُوسرا اصول یہ ہے کہ پرائیویٹ سرمایہ کو منسُوخ کیا جائے اور اُس کے ساتھ ہی روپیہ کی طاقت کو دریا بُرد کیا جائے"۔

اگر آپ ایک لمحہ کے لئے غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ روپیہ فی الحقیقت بہت بڑا بھانمتی ہے۔ اگر کوئی شخص ۵۰ ہزار روپیہ جمع کرلے تو اُس کے بیٹے اور پوتے اور پڑپوتے چوتھی پُشت تک اُس کے سُود پر بآرام زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ کچھ بھی کام کرنے کی ضرورت ہو۔ اور اصلی رقم بدستور برقرار رہے گی۔ کیا یہ جادوگر کا شعبدہ نہیں ہے؟

اور دیکھئے فرض کرو کہ ایک تاجر کے پاس دس ہزار روپیہ ہے۔ وہ دیہات سے چند صد من گھی خریدتا ہے۔ اور اُس کو شہر میں فروخت کر کے دو ہزار روپیہ نفع کما لیتا ہے۔ اور چند بار یہی عمل کر کے چند برسوں کے بعد لکھ پتی بن جاتا ہے۔ اب غور کرنا چاہئے کہ اس شخص نے کوئی محنت کا کام نہیں کیا۔ اس نے صرف یہ کیا کہ گاؤں والوں کو روپیہ دیا۔ جو گھی مہیا کرتے تھے۔ اور پھر گھی کو شہر کے خوردہ فروش دُکانداروں کے ہاتھ بیچ دیا۔ اور وہ صرف اپنی دُکان پر بیٹھا رہا۔ اُس کی تمام دولتمندی کا راز محض یہ ہے کہ شروع میں اس کے پاس دس ہزار روپے تھے۔ آخر روپیہ میں یہ عجیب و غریب طاقت کہاں سے آئی؟

اب ذرا اس شخص کے حال پر غور کیجئے جو کسی کارخانہ کے چند حصے خرید لیتا ہے۔ خواہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کارخانہ کس جگہ واقع ہے۔

چاہے وہ روئے زمین کا طواف کرتا رہے۔ لیکن اس کے حصے سال کے آخر میں اس کے لئے منافع ضرور کمائیں گے۔ آخر اس کا کارن کیا ہے۔ روپیہ کا مالک ہونے میں جہاں ایک طرف اس قدر فوائد ہیں۔ وہاں دُوسری طرف اُن لوگوں کو کس قدر نقصان پہنچتا ہے۔ جن کے پاس روپیہ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ کاریگر کارخانہ میں کام کرتے ہیں۔ اہل دیہات جو گھی مہیا کرتے ہیں چھوٹے دُکاندار جو شہروں میں گھی لوگوں کے ہاتھ بیچتے ہیں۔ مستری جو کارخانہ میں کلوں کو چلاتے ہیں۔ یعنی وہ سب لوگ جو سارا کام کرتے ہیں ہمیشہ غریب اور فاقہ مست رہتے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مالکان کارخانہ اور تھوک فروش تاجروں کے رحم پر انحصار رکھتے ہیں۔ یہ کیا بھید ہے؟ یہ محض روپیہ کی حیرت انگیز جادوگری ہے روپیہ سونے کا انڈا دینے والی مُرغی ہے۔ جتنا زیادہ سوچو اس بات کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ کہ روپیہ انسانی دماغ کی سب سے بڑی تباہی بخش اختراع ہے نوع انسان نے اس ہتھیار سے خودکشی کی ہے۔ وہ شخص جس نے پہلے پہل سکہ ایجاد کیا۔ اُس نے نسل انسان کے ساتھ بڑی بے وفائی کی جب کوئی غریب آدمی اپنی جیب کے اندر چند سکوں کو کھنکھناتا ہے۔ تو گویا وہ اس قیدی کے مانند ہے جو اپنی بیڑیوں کی زنجیروں کے ساتھ کھیلتا ہے۔ کیونکہ سونے۔ چاندی۔ چمڑے۔ نکل کے سکوں کی ایجاد نے ہی امیر کو زیادہ امیر اور غریب کو زیادہ غریب بنا دیا ہے۔ یہ سکوں کی بدولت ہی ممکن ہے کہ ایک بخیل اور چالاک آدمی دُوسرے آدمیوں کی محنت سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور اُن کو اپنا نوکر بنا لیتا ہے۔ اس لئے کمیونزم سب سے پہلے زمین کو مشترک ملکیت میں لانا چاہتی ہے۔ لیکن یہ تمام خرابی

کا صرف نصف حل ہے۔ اس کے بعد وہ پرائیویٹ سرمایہ اور روپیہ کے چلن کو اُڑانا چاہتی ہے۔ جو اہل سرمایہ کا چوکیدار ہے۔ چونکہ روپیہ ہی سرمایہ کہلاتا ہے۔ یعنی بہت سے روپے۔ پونڈ۔ اشرفیاں وغیرہ کوئی شخص مچھلیاں یا روٹیاں یا درختوں کے پھلوں کو جمع کرکے نہیں رکھ سکتا۔ تاکہ بعد میں اُن کی بدولت دوسروں کو غلام بنا سکے کیونکہ خوش قسمتی سے تمام اشیائے خوردنی تھوڑے عرصہ بعد خراب ہو جاتی ہیں"۔ "اور اس میں شک نہیں کہ قدرت نے یہ بڑی بھاری مہربانی کی ہے۔ ورنہ زبردست انسان دوسروں کو فاقے کرا کے ہی مار ڈالتے کچھ مُدّت سے دھاتوں کے سکّوں کی جگہ کاغذی سکّے چلنے لگے لیکن اصول ایک ہی ہے"۔

زمین کی پرائیویٹ ملکیت کا نتیجہ تبادلہ ہے۔ اور تبادلہ کے لئے روپیہ درکار ہوتا ہے۔ اور روپیہ پھر شخصی ملکیت بن جاتا ہے۔ اور اس کو دوسروں کو غلام بنانے کے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے۔ سینٹ پال کا قول ہے کہ "روپیہ کی محبت تمام بُرائیوں کی جڑ ہے"۔ یوں کہنا چاہئے تھا۔ کہ "روپیہ تمام بُرائیوں کی جڑ ہے"۔ کیونکہ روپیہ سبب ہے اور روپیہ کی محبت مُسبّب۔ جب تک روپیہ موجود رہے گا۔ اکثر آدمی اس سے محبت کئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ خواہ کتنے ہی وعظ اور پند و نصیحت کئے جائیں۔ جس زمانہ میں مطلق العنان شخصی حکومت کا رواج تھا۔ لوگ حصول طاقت کے لئے سازشیں کرنے کے لئے مجبور تھے جب سے شخصی حکومت کا طریق موقوف ہؤا۔ اُس وقت سے نوع انسان کا

سازشیں کرنے کا مرض بھی دُور ہو گیا۔ کیونکہ ہر شے اپنی خوراک پر پرورش پاتی ہے۔ جن مُلکوں میں خطابات کا دستور باقی ہے وہاں اعزاز و خطابات حاصل کرنے کے لیئے انسان کیا کچھ نہیں کر گزرتے لیکن امریکہ اور فرانس میں کسی کو خیال تک نہیں آتا۔ کیونکہ وہاں کسی کو خطاب نہیں دیا جاتا۔ پس روپیہ قبضہ میں رکھنے کی خواہش روپیہ سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ جس پر تمام مذہبی واعظان نے افسوس کیا ہے۔ جس وقت تک اچھی خوراک۔ صاف مکان۔ سامان تفریحات اور ادویات صرف روپیہ سے حاصل ہو سکتی ہیں اُس وقت تک لازمی ہے کہ لوگ روپیہ کے عاشق بنے رہینگے۔ کیونکہ مفلسی نہ صرف مصیبت ہے بلکہ موت کا فتوےٰ ہے"۔

جس زمانہ میں لوگوں کو حملہ آوروں کے حملوں سے اپنی حفاظت کرنی پڑتی تھی۔ تو ہر شخص کو اپنے شانہ پر ایک بندوق یا کمر میں تلوار لٹکانی پڑتی تھی۔ اُس وقت لوگوں کو یہ بات سمجھانی مشکل تھی۔ کہ ہتھیاروں سے محبّت رکھنا پاپ ہے۔ کیونکہ ہتھیاروں کی محبّت زندگی سے محبّت اور موت سے خوف کرنیکا نتیجہ تھا۔ اور زندگی کی محبّت قدرتی قانون ہے۔ پس بجائے زندگی اور صحت کی محبّت کو فنا کرنے کے مناسب یہ ہے کہ جراثیم۔ غلاظت۔ افلاس ایک دوسرے پر ظلم کرنے کا انسداد کیا جائے۔ زمانہ قدیم کی مذہبی پرچارک دُنیا کی سامان کی بھلائی کے لیئے پیچھے قدم ہٹا کر لڑتے تھے۔ اور ہم لوگ آگے بڑھ کر لڑتے ہیں۔ وہ کہتے تھے۔ روپیہ سے محبّت نہ کرو۔ اس کے یہ معنی تھے۔ کہ زندگی صحت کا دارو مدار روپیہ پر ہے۔ اس لیئے

زندگی اور صحت سے محبّت نہ کرو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ روپیہ کا چلن دُور کرو۔ اور زندگی اور صحت کو بہتر بناؤ۔ جو روپیہ پر منحصر نہ رہے گی پس کمیونزم نوعِ انسان کی اخلاقی ترقی کے لئے ایک لازمی عنصر ہے۔ جن فلاسفروں نے اقتصادیات کو نظر انداز کیا اُنہوں نے مالوریت پر عمارت بنانی چاہی۔ حالانکہ اخلاقی زندگی پر اقتصادیات کا بہت کچھ اثر ہے۔ اس لیئے مارکس ہمارے شکریہ کا مستحق ہے۔ نہ محض اس لئے کہ اُس نے اقتصادیات اور فلسفہ اخلاق کے باہمی تعلق کی توضیح کی۔ بلکہ اُس نے اپنی توجہ کو علم اقتصاد پر مرکوز کیا۔ اور اس کی اہمیت کو جتلایا۔ فلاسفروں نے اس کے اصولوں کی پڑتال کی۔ اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اُن میں بہت کچھ سچائی موجود ہے۔ اس طور پر مارکس نے فلسفہ اخلاق کو بھی بالواسطہ طور پر مدد دی"۔

"میں نے کمیونزم کے صرف بڑے بڑے اصول بیان کرنے پر اکتفاء کی ہے۔ یہ ظاہر کرنے کی غرض سے کہ وہ زمین اور سرمایہ کی شخصی ملکیت۔ سکہ کرایہ۔ لگان ٹیکس۔ سود۔ منافع ان سب چیزوں کی بیخکنی کرنی چاہتی ہے۔ اور یہ تجویز پیش کی ہے۔ کہ جس قدر پیداوار دُنیا میں ہو۔ ایک عالمگیر جمہوری انتظام حکومت اس کی تقسیم کا بندوبست کرے۔ اور پیداوار کو تمام باشندوں کے مابین مساوی حصّہ سے تقسیم کیا جائے۔ کیونکہ دُنیا میں جو کچھ مصیبت ہے وہ اشیاء کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے ہے۔ اس آدرش کا پرچار مارکس نے کیا۔ تفصیلات کے متعلق اس کے اپنے خیالات دُوسرے کمیونسٹ فلاسفروں کی نسبت جُداگانہ تھے لیکن بنیادی اصول سب کا ایک ہی ہے"۔

مزدوروں کا پیغمبر

کارل مارکس کا سب سے بڑا کام اُس کی تصانیف نہ تھیں اور نہ متعدد انجمنیں قائم کرنا جن کو اُس نے اپنی زندگی میں قائم کرکے توڑ دیا۔ وہ خیال کرتا ہوگا۔ کہ اُس کی یہ سرگرمیاں نوع انسان کی شکرگذاری کا باعث ہونگی۔ لیکن ہم اُس کے کام کی قیمت کا بہتر اندازہ کر سکتے ہیں۔ مارکس نوع انسان کا فیض رساں تھا۔ کیونکہ زمانہ حال کے یورپ میں وہی پہلا فلاسفر تھا۔ جو مزدوری پیشہ لوگوں کا حقیقی دوست تھا۔ اور یقین رکھتا تھا کہ ان کی حالت دُرست ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے سوشلسٹ لوگ خیال کرتے تھے۔ کہ کمیونزم (اشتراکیت) کوئی ایسی برکت ہے۔ جس کو نیک دل تعلیمیافتہ لوگ غریب جاہل مزدوروں کو عطا کرینگے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ برکت آسمان سے نازل ہوگی۔ چنانچہ انگلستان کی فیبیں سوسائٹی میں یا "عیسائی سوشلسٹوں" میں یہ خیال ابھی تک موجود ہے۔ لیکن مارکس پہلا شخص تھا۔ جس نے یہ کہا کہ مزدوری پیشہ لوگوں کی نجات خود اُنہی کے ہاتھوں ممکن ہے"۔

"اُس نے جو اپیل کی۔ وہ مزدوروں کے دل میں نقش ہوگئی اور مردانگی کی طاقت جو ان کے اندر سوئی ہوئی تھی جاگ اُٹھی۔ اُس نے کہا کہ "جو شخص آزاد ہونا چاہتا ہے خود اپنی ہی کوشش سے ہوگا" اور کہا "تمام ملکوں کے مزدور! متحد ہو جاؤ۔ اس میں تمہارا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا بلکہ تمہاری غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جائیں گی۔ اور بیحد فوائد حاصل ہونگے" مُدت گذر گئی بہت لوگ اُس وقت سے پیدا ہوئے اور مر گئے۔ لیکن

مزدوروں کے لیڈر کی، یہ آواز جس کو جاہل اور گندے خستہ حال مزدوروں پر وشواس تھا۔ اب تک گونج رہی ہے اور اُن کے دلوں میں حوصلہ اور مردانگی پیدا کر رہی ہے۔ اس قسم کا انبوہ صرف انہیں لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جنہوں نے کسی مقصد کے لئے خود کشٹ اُٹھایا ہو۔ آرام کرسی پر بیٹھ کر خیال آرائیاں کرنے والے ریفامروں یا کتابی کیڑے پروفیسروں کو یہ میسّر نہیں ہو سکتا۔ مارکس کو خود افلاس اور تنگدستی کی زندگی سے گذرنا پڑا تھا۔ تب اس پر یہ راز منکشف ہوا۔ کہ عام بازاری لوگوں کے اندر جو چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے اور خاک وگرد میں آلودہ ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاقی جذبات مدفون ہیں۔ تمام سوشل تغیرات کی تاریخ میں یہ سب سے بڑی خدمت ہے۔ جو کوئی لیڈر عوام الناس کی کر سکتا ہے کہ وہ اُن کو اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کا سبق دیتا ہے۔ یہ کہہ کر کہ وہ اُن پر وشواس رکھتا ہے۔ وہ بیچارے خیال کرتے ہیں کہ وہ کمزور ہیں۔ مگر وہ اُنہیں بتلاتا ہے کہ وہ زبردست ہیں۔ کیونکہ وہ اُن کے اندر سچائی داخل کر دیتا ہے۔ تمام اخلاقی اصلاحات کا راز یہی ہے۔ جب حضرت مسیح نے ایک بیمار کو شفا بخشی۔ تو اُس نے سوال کیا۔ کیا تو مجھ پر وشواس رکھتا ہے۔ لیکن اُس نے جب ایک گنہگار آدمی کو اُس کی کمزوریوں سے پاک کیا تو فرمایا۔ میں تجھ پر وشواس رکھتا ہوں۔ مہاتما بدھ نے حجام سے کہا "ہاں تم میرے ساتھ چل سکتے ہو" اور نائی کا دل ایک دم ادنےٰ سے اعلےٰ ہو گیا۔ کیونکہ اُس نے خیال کیا۔ کہ مہاتما نے اس کو اس قابل سمجھا کہ اُس کی رفاقت کر سکے"۔

اسی طرح گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے چھوٹی ذاتوں کے آدمیوں کو اعلےٰ ذاتوں کے برابر درجہ دے کر اپنے پیاروں میں شامل کر لیا۔ اور

چڑیوں سے شیر بن گئے۔ روسیوں نے اٹھارھویں صدی کے فرانس کے جاہل اور بُزدل کاشتکاروں سے کہا۔ کہ وہ حکومت کرنے کے قابل ہیں۔ یہ ایک مذاق معلوم ہوتا تھا۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ یہ کہ ان الفاظ نے اُن کے اندر مردانگی کی خفتہ طاقت کو بیدار کر دیا۔ اور یہ بڑے بڑے امراء اور جاگیرداروں کے جاہل کندہ ناتراش فاقہ مست غلام ایک ہی نسل کے اندر شہزور اور خوددار شہری بن گئے۔ حضرت محمدؐ صاحب نے عربوں سے فرمایا کہ تم ساری دُنیا کو فتح کر سکتے ہو۔ اور اُنہوں نے ایسا ہی کر کے دکھا دیا پس جو مہاپُرش یہ علم رکھتے ہیں۔ کہ تمام انسان حتیٰ کہ وحشی سے وحشی اور غریب سے غریب تک اخلاق کے اعلےٰ ترین معراج تک پہنچنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ وہی نوع انسان کے نجات دہندہ اور سچے رہبر ہوتے ہیں۔ وہ فطرت انسانی کے جوہر سے باخبر ہوتے ہیں۔ وہ اُن لوگوں میں طاقت پیدا کر دیتے ہیں۔ جو بظاہر بے بس اور کمزور نظر آتے ہیں وہ دُنیا کے ارذل ترین آدمیوں کو ہیرو بنا سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ غریبوں اور گنہگاروں کے دوست تھے۔ ماہی گیروں اور برادری سے نکالے ہوئے ناداروں اور اپاہجوں کے لیڈر تھے۔ اِسی لئے تو مہاتما بدھ نے عالموں کی زبان سنسکرت کو چھوڑ کر عام بازاری زبان پراکرت میں وعظ و تلقین کرنا اختیار کیا۔ اور اُن لوگوں کو اپنی طرف کھینچا جن کو فلاسفر لوگ نہایت حقیر اور معمولی آدمی خیال کرتے تھے بائبل میں آیا ہے "جس پتھر کو معمار نے نکما سمجھ کر پھینک دیا تھا وہ عمارت

میں سب سے اونچا لگایا گیا ہے۔ کیونکہ خدا نے اس دنیا کی ادنےٰ چیزوں کو چن لیا ہے۔ تاکہ طاقتوروں کو حیران کرے۔ اور اس نے نادانوں اور بھولے بھالوں کو چن لیا ہے۔ تاکہ داناؤں کو ششدر کرے۔ کیونکہ اس کے سامنے کسی شے کو عظمت نہیں ہے جو اوّل ہے وہ آخر ہوگا۔ اور جو آخر ہے وہ اوّل "۔

اُنیسویں صدی کا رُوسیو

جو کچھ رُوسیو نے اٹھارھویں صدی میں باشندگان یورپ کے لئے کیا۔ وہی مارکس اور اس کے ہمخیال فلاسفروں نے اُنیسویں صدی میں کیا۔ اس کا نبوہ اس کی اخلاقی عظمت کا مظہر ہے۔ کیونکہ وہ بڑا عالم فاضل شخص تھا۔ امیر گھرانہ میں پیدا ہؤا۔ ناز و نعمت میں تربیت پائی۔ ممکن تھا کہ اصلاحات آسمان سے نازل ہونگی۔ اور تعلیمیافتہ اور بیدار مغز جماعتیں خود اصلاح کردیں گی۔ جو تاریخ اور فلسفہ کو سمجھتی ہیں۔ لیکن وہ اخلاقی اعتبار سے دیو تھا۔ اس نے دیکھا کہ عام آدمی محبت مساوات اور بہادری کو فلسفیانہ مزاج کی آرام طلب تعلیمیافتہ جماعتوں کی نسبت بہتر سمجھتے ہیں۔ اور سوشل اور پولٹیکل ترقی پیہم اور بھگتی سے ہوتی ہے۔ نہ لسانی اور فصیح البیانی سے۔ مارکس پہلا شخص تھا جس نے عاجز و بے بس اور ذلیل مزدوروں کے دل میں اُمید کی روشنی پیدا کی۔ اور یہی اصلی سوشل حریت تھی جس نے اس کی بدولت یورپ میں جنم لیا"۔

مارکس کے خیالات اور کاموں پر نقطہ چینی کرتے وقت ہمیں ڈاکٹر جانسن کا یہ قول فراموش نہ کرنا چاہیئے۔ جو اُس نے گولڈ سمتھ کی بابت لکھا ہے کہ "ہمیں اُس کی کوتاہیوں کو یاد نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بہت بڑا آدمی تھا"۔ مارکس کے نام کی وہ نسلیں بھی عزت کریں گی۔ جو ابھی پیدا نہیں ہوئیں۔ اور اُس کی بیوی اور بچے بھی اُس کی شوبھا میں حصہ دار رہیں گے۔ جس زمانہ میں غلامی اور افلاس کا دُنیا سے خاتمہ ہو جائے گا۔ اور ذاتی سرمایہ کا آخری خرمُہرہ مدفون ہو جائے گا۔ تو نوع انسان اس بات کو فراموش نہ کریگی کہ جن لوگوں نے دُنیا کے نرک کو سوُرگ بنایا وہ اکثر نیم گرسنگی کی وجہ سے بیہوش ہو جایا کرتے تھے۔ مائیں اُس ماں کے حالات سُنایا کرینگی۔ تاکہ آنے والی سنہری زمانہ میں بچے شادمانی سے کھیلیں اور قہقہے لگائیں۔ دُنیا کی بہتری کے لیئے نہ کسی کا تکلیف اُٹھانا ضروری ہے۔ ناظرین! کیا تم اُن تکلیف اُٹھانے والوں میں سے ایک بننا چاہتے ہو"؟

قومی ہیروز کی سوانحعمریاں

۱۔ **میزنی** از لالہ لاجپت رائے جس نے اٹلی کو آزادی دلائی۔ قیمت فی جلد بارہ آنے۔ (۱۲؍)

۲۔ **گیری بالڈی** یہ بھی اٹلی کا ہیرو ہو گزرا ہے جس نے اپنا جیون قوم اور ملک کے ارپن کیا۔ قیمت فی جلد دس آنے .... (۱۰؍)

۳۔ **لینن** روس کی خود مختار زبردست اور جابر سلطنت کو پلٹنے والے بالشوازم کے بانی لینن کے دلچسپ حالات قیمت فیجلد (۴؍)

۴۔ **مزدوروں کا پیغمبر** یعنی کارل مارکس کی سوانحعمری از لالہ ہردیال ایم۔اے۔ قیمت فیجلد (۴؍)

۵۔ **بھگوان تلک** قوم پرستوں کے بے تاج بادشاہ کی زندگی کے پُرسبق حالات۔ قیمت مجلد (۸؍)

۶۔ **نپولین** فرانس کے بیخوف جنرل۔ بے نظیر عادل و شہنشاہ ناممکن کو ممکن بنانے والے کے سبق آموز حالات قیمت (۱۰؍)

۷۔ **تلاشِ حق** مہاتما گاندھی کی خود نوشت سوانح عمری دو حصوں میں۔ قیمت فی جلد دو روپے (عہ؍)

پبلشرز:
لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب لاہور

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام مسٹر سوم پرکاش پرنٹر پبلشر چھپ کر لوہاری گیٹ لاہور سے شائع ہوا